ماہنامہ

التبلیغ

راولپنڈی

جلد 24 شمارہ 05

نومبر 2026ء - جمادی الاولیٰ 1448ھ

جلد 24 شمارہ 05

ماہنامہ التبلیغ راولپنڈی

نومبر 2026ء - جمادی الاولیٰ 1448ھ

بشرفِ دعا

حضرت نواب محمد عشرت علی خان خیبر صاحب رحمہ اللہ

وحضرت مولانا ڈاکٹر تنویر احمد خان صاحب رحمہ اللہ

مدیر
مفتی محمد رضوان

ناظم
مولانا عبدالسلام

مجلسِ مشاورت
مفتی محمد انعام
مولانا طارق محمود

فی شمارہ..... 50 روپے

سالانہ..... 500 روپے

پبلشرز

محمد رضوان

سرحد پرنٹنگ پریس، راولپنڈی

خط و کتابت کا پتہ

ماہنامہ التبلیغ پوسٹ بکس 959

راولپنڈی پوسٹ کوڈ 46000 پاکستان

قانونی مشیر

محمد شرجیل جاوید چوہدری

ایڈووکیٹ ہائی کورٹ

مستقل رکنیت کے لئے اپنے مکمل ڈاک کے پتہ کے ساتھ سالانہ فیس صرف 500 روپے ارسال فرما کر گھر بیٹھے ہر ماہ ماہنامہ ''التبلیغ'' حاصل کیجئے

ڈاک کا پتہ تبدیل ہو جانے یا ماہنامہ موصول نہ ہونے کی صورت میں رکنیت نمبر کا حوالہ دے کر فوری اطلاع کریں

اس دائرہ میں سرخ نشان آپ کی رکنیت ختم ہونے کی علامت ہے، آئندہ شمارہ رکنیت فیس موصول ہونے پر ارسال کیا جا سکے گا

برائے رابطہ ..... ادارہ غفران ٹرسٹ چاہ سلطان گلی نمبر 17

عقب پٹرول پمپ و چمڑا گودام راولپنڈی صوبہ پنجاب پاکستان

مولانا عبدالسلام صاحب - 0333-5365831

www.idaraghufran.org

Email:idaraghufran@yahoo.com

www.facebook.com/Idara Ghufran

www.idaraghufran.org

ترتیب وتحریر

صفحہ

آئینۂ احوال.....سیاست ومنافقت.....مفتی محمد رضوان 3

درسِ قرآن (سورہ نساء: قسط16).....آباء کی بیویوں سے نکاح

کی حرمت کا بیان.....// // 7

درسِ حدیث.....''حوقلہ'' کے فضائل وفوائد (قسط1).....// // 13

مقالات ومضامین: تزکیۂ نفس، اصلاحِ معاشرہ واصلاحِ معاملہ

افادات وملفوظات.....مفتی محمد رضوان 16

علم کے مینار: .....فقہ مالکی، منہج، تلامذہ،

کتب، مختصر تعارف (سینتالیسواں حصہ).....مفتی غلام بلال 24

تذکرۂ اولیاء: .....حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا

مصاحف کا جلانا (پہلا حصہ).....مولانا محمد ریحان 27

پیارے بچو!.....سردی آئی، جیکٹ لائی.....// // 30

بزمِ خواتین....زیب وزینت میں خواتین کے اختیارات (حصہ:25)....مفتی طلحہ مدثر 31

آپ کے دینی مسائل کا حل .....سب چیزوں سے پہلے

نورِ نبوی کی پیدائش کی روایت.....ادارہ 34

کیا آپ جانتے ہیں؟...''رسومِ افتاء واصولِ افتاء'' پر کلام (قسط21)....مفتی محمد رضوان 46

عبرت کدہ .....حضرت داؤد علیہ السلام (قسط1).....مولانا طارق محمود 54

طب وصحت .....صحت مند زندگی کے لیے

غذا کے اہم اصول.....حکیم مفتی محمد ناصر 57

اخبارِ ادارہ .....ادارہ کے شب وروز.....// // 59

www.idaraghufran.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آئینۂ احوال

مفتی محمد رضوان

سیاست ومنافقت

لغت کے اعتبار سے ''سیاست'' تدبیر، اصلاح، اور تربیت کے معنیٰ میں آتا ہے۔ [1]

اور اصطلاحی اعتبار سے سیاست دراصل مخلوق کو دنیا وآخرت میں نجات دلانے والے راستہ کی رہنمائی کرنے، اور مخلوق کے معاملات کی تدبیر کرنے کو کہتے ہیں۔ [2]

بعض حضرات نے سیاست کا مطلب رعایا کے امور کی اصلاح اور ان کے امور کی تدبیر کرنا، اور ان کو فساد سے بچانا قرار دیا ہے، جس میں دہشت گردوں اور فسادیوں وخارجیوں سے عوام کے جان ومال کو تحفظ فراہم کرنا بھی داخل ہے۔ [3]

اور اس اعتبار سے سیاست، دین کی عملی حکمت کی ایک شاخ ہے۔ [4]

اور اسی لئے سیاست، شرعی قواعد کے تابع ہے، کیونکہ ایمان کے قواعد کے بعد شریعت کا مدار فساد کے مواد کو ختم کرنا ہے، جس پر عالم کا بقاء موقوف ہے۔ [5]

---

[1] السياسة فى اللغة تدل على التدبير والإصلاح والتربية(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٥،ص ٢٩٤،مادة"سياسة" حرف السين)

[2] استصلاح الخلق بإرشادهم إلى الطريق المنجى فى العاجل والآجل، وتدبير أمورهم(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٥،ص٢٩٥،مادة"سياسة"حرف السين)

[3] السياسة: إصلاح أمور الرعية، وتدبير أمورهم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٥،ص٢٩٥، مادة "سياسة" حرف السين)

[4] علم السياسة: " هو العلم الذى يعرف منه أنواع الرياسات والسياسات الاجتماعية والمدنية، وأحوالها: من أحوال السلاطين والملوك والأمراء وأهل الاحتساب والقضاء والعلماء وزعماء الأموال ووكلاء بيت المال، ومن يجرى مجراهم.

وموضوعه المراتب المدنية وأحكامها، والسياسة بهذا المعنى فرع من الحكمة العملية(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٥،ص٢٩٥،مادة"سياسة" حرف السين)

[5] السياسة داخلة تحت قواعد الشرع، وإن لم ينص عليها بخصوصها، فإن مدار الشريعة – بعد قواعد الإيمان – على حسم مواد الفساد لبقاء العالم(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٥،ص٢٩٧،مادة"سياسة" حرف السين)

www.idaraghufran.org

سیاست کی ایک قسم ''سیاستِ ظالمہ وفاسدہ'' کہلاتی ہے، جو شرعی اصول وقواعد پر مبنی نہ ہو، ہر اعتبار سے حرام ہے، اور دوسری ''سیاستِ عادلہ'' کہلاتی ہے، جو حق کو غالب اور مظالم کو دور کرتی ہے، اور اہلِ فساد وخوارج کو ڈراتی، زیر کرتی، اور مقاصدِ شریعت کی طرف پہنچاتی ہے، یہی دراصل ''اسلام'' کی رو سے ''سیاستِ صحیحہ'' ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفائے راشدین دین اور دنیا کے اعتبار سے ''سیاستِ صحیحہ'' کے کردار کے حامل تھے، اور ان کا دین، سیاست سے جدا نہ تھا۔ [1]

''سیاستِ صحیحہ'' بعد میں نفس وہواء پرستی کی وجہ سے ''سیاستِ ظالمہ، باطلہ وفاسدہ'' بن گئی، جس میں شرعی احکام کو نظر انداز، بلکہ پامال کیا جانے لگا۔ [2]

اور اب صورتِ حال یہاں تک پہنچ گئی کہ عوام ورعایا کی اصلاح وتدبیر کے بجائے، اپنی ذاتی ونفسانی خواہشات کے تقاضے پورا کرنے اور پرکشش دعووں کے ذریعہ رعایا کو دھوکہ دینے کا نام ''سیاست ہوگیا، جس کو ''سیاست'' کے بجائے ''منافقت'' سے تعبیر کیا جانا، زیادہ مناسب ہے۔

آج کی دنیا میں اسی ''منافقت'' کا نام سیاست رکھا جانے لگا، جو شخص اپنے، یا اپنی جماعت وپارٹی کے ذاتی مفادات ونفسانی خواہشات کو کسی نہ کسی طرح پورا کرلے، جس کے لئے اس کو جتنی چاہے،

---

[1] تقسم السياسة إلى قسمين: سياسة ظالمة تحرمها الشريعة .وسياسة عادلة تظهر الحق وتدفع المظالم وترد ع أهل الفساد، وتوصل إلى المقاصد الشرعية، وهى التى توجب الشريعة اعتمادها والسير عليها والسياسة العادلة من الشريعة، علمها من علمها، وجهلها من جهلها، وما يسميه أكثر السلاطين الذين يعملون بأهوائهم و آرائهم – لا بالعلم – سياسة، فليس بشيء .

وقد كان النبى صلى الله عليه وسلم وخلفاؤه الراشدون يسوسون الناس فى دينهم ودنياهم، فكان الحكم والسياسة شيئا واحدا .ثم لما اتسعت الدولة ظهر الفصل بين الشرع والسياسة؛ لأن أهل السلطة صاروا يحكمون بالأهواء من غير اعتصام بالكتاب والسنة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۵، ص ۲۹۸، مادة "سياسة" حرف السين)

[2] السياسة، والحقيقة، والطريقة، والعقل، كل ذلك ينقسم إلى قسمين: صحيح، وفاسد .فالصحيح قسم من أقسام الشريعة لا قسيم لها، والباطل ضدها ومنافيها، وهذا الأصل من أهم الأصول وأنفعها، وهو مبنى على حرف واحد، وهو عموم رسالته صلى الله عليه وسلم بالنسبة إلى كل ما يحتاج إليه العباد فى معارفهم وعلومهم وأعمالهم، وأنه لم يحوج أمته إلى أحد بعده، وإنما حاجتهم إلى من يبلغهم عنه ما جاء به(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۵، ص۲۹۸، مادة"سياسة" حرف السين)

دین کی قربانی دینا پڑے، اور جتنے دین کے احکام کی خلاف ورزی کرنی پڑے، وہ آج کی سیاسی دنیا میں ''کامیاب اور زیرک سیاستدان'' سمجھا جاتا ہے۔

اسی لئے اس طرح کی سیاست کے لئے دین کے اصول وقواعد کا لحاظ بھی ضروری نہیں ہوتا۔

دنیادار سیاست دانوں کے طبقہ میں تو یہ چیز ایک کامیاب اور بامراد سمجھی جاتی ہے، لیکن دینی حوالہ سے یہ طرزِ سیاست سنگین گناہ اور جرم، اور تحریفِ دین ہے۔

اس لئے ضرورت اس بات کی تھی کہ دینی ومذہبی سیاسی جماعتوں کا کردار اس سلسلہ میں دنیادار سیاست دانوں کے مقابلہ میں ممتاز اور جداگانہ ہوتا، جس میں شرعی اصول وقواعد کو ملحوظِ خاطر رکھا جاتا، تاکہ اس شعبہ کی اصلاح ہو، اور دینی وشرعی سیاست کو فروغ اور عروج حاصل اور فسادیوں وخارجیوں کا خاتمہ ہو، لیکن افسوس کہ ہمارے یہاں دینی ومذہبی سیاست کے عنوان سے عام طور پر جو مناظر سامنے آئے، ان کی وجہ سے ''شرعی ودینی سیاست'' کا تصور لوگوں کے دل ودماغ سے مسخ ہوکر رہ گیا، اور اس کی وجہ سے اس طرح کی عملی سیاست میں حصہ لینے والے علماء، عوام کی نظروں میں سخت بدنام ہوکر رہ گئے، جو دین کا بہت بڑا نقصان ہے، کیونکہ جب عوام کا علماء پر اعتماد نہ رہے گا، تو دین سیکھنے اور سکھانے کا تصور کہاں سے حاصل ہو سکے گا۔

ہمارے یہاں ایک عرصہ سے بعض دینی سیاسی جماعتوں کے سربراہان کا یہ کردار رہا کہ وہ سیاسی عہدوں، یا مالی مفادات کی خاطر ہر ایک سیاسی جماعت کے ساتھ وابستہ رہے، اور انہوں نے اس سیاسی جماعت کی طرف سے ان کو عہدے میسر نہ آئے، ان کی مخالفت پر کمربستہ نظر آئے، جس کی وجہ سے، انہوں نے دوسروں کے ساتھ اپنے سیاسی اختلاف کے دائرہ کو بہت وسیع کردیا، اور دینی رنگ میں دوسروں پر فتوے لگانا شروع کردیا، اور طرح طرح سے متہم کرنا شروع کردیا، اور سادہ لوح عوام کے دینی جذبات کو اپنے اغراض ومقاصد اور مفادات دنیویہ کے لئے استعمال کیا، جس کو آج کل کی سیاسی دنیا میں ''سیاسی کارڈ کھیلنا'' کہا جاتا ہے۔

اور اگر ان حضرات کا معاملہ، ان کی اپنی ذات اور ان کی جماعت تک محدود رہتا، تو زیادہ نقصان کی بات نہ ہوتی، لیکن جب سے معاشرہ میں یہ صورتِ حال بنی کہ کسی بھی مسلک سے وابستہ مذہبی

سیاسی وغیر سیاسی قائدین کو اس مسلک کے ''اکابر'' بمعنیٰ سرپرست ہونے کا پروانہ مفت میں حاصل ہوگیا، خواہ اس مسلک سے وابستہ تمام افراد، نہ تو اس حیثیت سے ان کو اپنا ''اکابر'' سمجھتے ہوں، نہ ہی ان کے کردار سے متفق ہوں، اور نہ ہی ان کو اپنے صحیح اکابر و مسلک کا صحیح ترجمان سمجھتے ہوں، لیکن اس مسلک سے وابستہ تمام عوام کو زور زبردستی ان کو اپنا اکابر تصور کرنے کا مکلّف سمجھا جانے لگا، اور ان سے اختلاف کرنے کو اپنے ''اکابر'' سے اختلاف کرنا تصور کیا جانے لگا، اس وقت سے صورتِ حال میں زیادہ بگاڑ و فساد پیدا ہوگیا۔

تو اس قسم کے حالات میں سوائے اس کے کوئی چارہ نہ رہا کہ جو انسان اس قسم کے منکرات سے اپنے آپ کو بچانا اور الگ تھلگ رکھنا چاہے، تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث پر عمل کرے کہ:

إِذَا رَأَيْتَ شُحًّا مُطَاعًا، وَهَوًى مُتَّبَعًا، وَدُنْيَا مُؤْثَرَةً، وَإِعْجَابَ كُلِّ ذِي رَأْيٍ بِرَأْيِهِ، فَعَلَيْكَ بِنَفْسِكَ، وَدَعْ عَنْكَ الْعَوَامَّ، فَإِنَّ مِنْ وَرَائِكُمْ أَيَّامَ الصَّبْرِ، الصَّبْرُ فِيهِ مِثْلُ قَبْضٍ عَلَى الْجَمْرِ، لِلْعَامِلِ فِيهِمْ مِثْلُ أَجْرِ خَمْسِينَ رَجُلًا يَعْمَلُونَ مِثْلَ عَمَلِهِ (سنن ابی داود، رقم الحدیث ۴۳۴۱، کتاب الملاحم، باب الأمر والنهی) [1]

ترجمہ: تم جب اطاعت کئے جانے والے بخل کو، اور اتباع کی جانے والی خواہش کو، اور دنیا کو ترجیح دیے جانے کو، اور ہر صاحبِ رائے کے اپنی رائے کو اچھا سمجھنے کو دیکھ لو، تو اپنے اوپر اپنے نفس کو لازم پکڑ لو، اور عوام کو چھوڑ دو (یعنی ایسے حالات میں خود عمل کرو، دوسروں کو ان کے حال پر چھوڑ دو) کیونکہ آپ کے آگے صبر کے ایام آنے والے ہیں، جن میں صبر کرنا، آگ کی چنگاری کو پکڑنے جیسا ہو جائے گا، اس وقت ان لوگوں میں رہ کر عمل کرنے والے کو اس جیسے پچاس آدمیوں کی طرح کے عمل کرنے والوں کے برابر اجر و ثواب حاصل ہوگا (سنن ابی داود)

موجودہ اختلاف و اعجاب اور انتشار کے دور میں ہم پیچھے بیان کردہ تنظیموں و جماعتوں سے کنارہ کش ہو کر، حدیث میں بیان کردہ اس طرزِ عمل کو پسند کرتے ہیں۔

---

[1] قال شعیب الارنؤوط: حسن (حاشیة سنن ابی داود)

www.idaraghufran.org

درسِ قرآن (سورہ نساء: قسط:16، آیت نمبر22) مفتی محمد رضوان

آباء کی بیویوں سے نکاح کی حرمت کا بیان

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيْلاً (22) (سورة النساء)

ترجمہ: اور مت نکاح کرو تم ان عورتوں سے جن سے نکاح کرلیا تمہارے آباء (یعنی باپ دادا وغیرہ) نے، مگر جو پہلے (یعنی زمانۂ جاہلیت میں) ہو چکا، یہ بے حیائی ہے اور غضب والا (فعل) ہے، اور بُرا راستہ ہے (22) (سورہ نساء)

تفسیر وتشریح

سورہ نساء کی مذکورہ آیت میں ان عورتوں کا بیان کیا گیا ہے، جن سے انسان کو نکاح کرنا حرام ہے۔ پھر اس کے بعد آگے آنے والی آیات میں بھی دوسری ایسی عورتوں کا ذکر کیا گیا ہے، جن سے نکاح کرنا حرام ہے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

حَرُمَ مِنَ النَّسَبِ سَبْعٌ وَمِنَ الصِّهْرِ سَبْعٌ ثُمَّ قَرَأَ هَذِهِ الْآيَةَ (حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ) هَذَا مِنَ النَّسَبِ (وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ. وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ (المستدرک للحاکم،رقم الحدیث ۳۱۸۹) [1]

[1] قال الحاكم: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ وَلَمْ يُخْرِجَاهُ وَلَهُ شَاهِدٌ صَحِيحٌ مِنْ رِوَايَةِ عِكْرِمَةَ وقال الذهبی فی التلخیص: علی شرط البخاری ومسلم.

ترجمہ: نسب کی وجہ سے سات قسم کی عورتوں کو، اور صہر (ومصاہرت) کی وجہ سے بھی سات قسم کی عورتوں کو، حرام قرار دے دیا گیا ہے، پھر ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ:

"حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ"

(حرام کردی گئی ہیں تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں، اور تمہاری بہنیں، اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھائی کی بیٹیاں اور بہن کی بیٹیاں)

یہ عورتیں تو نسب کی وجہ سے حرام ہیں، اور باقی صہر والی سات عورتوں کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ:

"وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ"

(اور جن ماؤں نے تم کو دودھ پلایا، اور بہنیں دودھ کی، اور تمہاری عورتوں (یعنی بیویوں) کی مائیں اور (تمہاری بیوی کی دوسرے خاوند سے) بیٹیاں، جو تمہاری پرورش میں ہیں، جن بیویوں سے تم نے صحبت کی، پھر اگر تم نے صحبت نہیں کی، تو تم پر نہیں گناہ (ان کی بیٹی سے نکاح کرنے میں) اور بیویاں تمہارے بیٹوں کی، جو تمہاری پشت (صُلب) سے ہیں، اور یہ کہ تم دو بہنوں کو اکٹھا کرو، الّا یہ کہ جو گزر چکا (یعنی اس حکم کے آنے سے پہلے جو یہ عمل کر چکا)

اور" وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ"

(اور مت نکاح کرو تم ان عورتوں سے جن سے نکاح کر لیا تمہارے آباء نے) (حاکم)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت میں رضاعت، یعنی دودھ کے رشتہ کو، صہر ومصاہرت یعنی سسرال کے رشتہ کے تابع کر کے بیان کیا گیا ہے۔

جن رشتہ دار عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے، ان میں ایک قسم کو "حرمتِ موبدہ" کہا جاتا ہے، یعنی

جن سے ہمیشہ کے لئے نکاح کرنا حرام ہے، جیسا کہ والدہ، بیٹی وغیرہ، اور حرمت کی دوسری قسم ''حرمتِ موقتہ'' کہلاتی ہے، یعنی جن سے خاص وقت میں نکاح کرنا حرام ہے، جیسا کہ بیوی کی بہن سے نکاح کرنا، اس وقت تک حرام ہے، جب تک اس کی بہن نکاح میں ہے، یا کسی دوسرے کی بیوی سے نکاح کرنا، اس وقت تک حرام ہے، جب تک وہ دوسرے کے نکاح میں ہے۔ [1]

پھر جن اسباب و وجوہات کی بناء پر نکاح کرنا حرام ہوتا ہے، ان میں ایک سبب نسب و قرابت ہے، یعنی جو رشتہ نسب و پیدائش کے سبب سے قائم ہوا ہو، اور دوسرا سبب صہر، یا مصاہرت ہے، یعنی جو رشتہ نکاح سے قائم ہوا ہو، جس کو سسرالی رشتہ کہا جاتا ہے، اور تیسرا سبب ''رضاع، یا رضاعت'' ہے، یعنی کسی بچہ، بچی کے، کسی عورت کا دودھ پینے کے سبب سے قائم ہونے والا رشتہ۔

اور نسب کے اعتبار سے جن عورتوں سے ''حرمتِ موبدہ'' کے طور پر نکاح کرنا حرام ہے، ان میں ایک تو اپنی مائیں ہیں، دوسرے بیٹیاں ہیں، تیسرے بہنیں ہیں، چوتھے پھوپیاں ہیں، پانچویں خالائیں ہیں، چھٹے بھائی کی بیٹیاں، یعنی بھتیجیاں ہیں، ساتویں بہن کی بیٹیاں، یعنی بھانجیاں ہیں۔

اور صہر و سسرالی رشتہ کے اعتبار سے جن عورتوں سے حرمتِ موبدہ کے طور پر نکاح حرام ہے، ان میں ایک تو بیوی کی ماں یعنی ساس ہے، دوسرے بیٹے، یا پوتے، نواسے وغیرہ کی بیوی ہے، تیسرے باپ، دادا کی بیوی ہے، چوتھے اس بیوی کی بیٹی ہے، جس سے صحبت کی جا چکی ہے۔

پانچویں بیوی کی بہن ہے، چھٹے بیوی کی پھوپی ہے، ساتویں اس کی خالہ ہے، اور یہ آخری تینوں ''حرمتِ موقتہ'' میں داخل ہیں۔

اور جو عورتیں دوسرے کے نکاح میں ہوں، وہ بھی ''حرمتِ موقتہ'' میں داخل ہیں، ان سب کا ذکر آگے آتا ہے۔ [2]

---

[1] واعلم أن أسباب التحريم المؤبد ثلاثة :قرابة ورضاع ومصاهرة(السراج المنير فی الإعانة علی معرفة بعض معانی كلام ربنا الحكيم الخبير،للخطيب الشربينی، ج ۱،ص ۲۹۱،سورة النساء)

[2] هذا الصهر وفی تسميته ما هو بالرضاع صهرًا تجوز وكذلک امرأة الغير.

والموانع قسمان :مؤبد وغير مؤبد والمؤبد له أسباب قرابة، ورضاع، ومصاهرة(إرشاد الساری لشرح صحيح البخاری، ج۸، ص ۳۵، كتاب النكاح،باب مَا يَحِلُّ مِنَ النِّسَاءِ وَمَا يَحْرُمُ)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اصل حرمت تو نسب سے ثابت ہوتی ہے، لیکن صہر وسسرالی اور رضاعت ودودھ والے رشتہ کو بھی کئی احکام میں نسب کی طرح کا حکم دے دیا گیا ہے، جس طرح اپنی اصول وفروع سے نکاح کرنا حرام ہے، اسی طرح زوجین کو بھی ایک دوسرے کے اصول وفروع سے نکاح حرام ہے، اسی طرح دودھ پینے کی وجہ سے بھی۔

مذکورہ آیت میں نکاح حرام ہونے والی عورتوں کا بیان کرتے وقت ان عورتوں کا ذکر کیا گیا ہے، جن سے اپنے آباد واجداد نے نکاح کرلیا ہو، کیونکہ وہ نسبی ماؤں کے درجہ میں آجاتی ہیں، یہ رشتہ صہر یعنی سسرالی کہلاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا کہ:

"وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيْلًا"

"اور مت نکاح کرو تم ان عورتوں سے جن سے نکاح کرلیا تمہارے آباء (یعنی باپ دادا وغیرہ) نے، مگر جو پہلے (یعنی زمانۂ جاہلیت میں) ہو چکا، یہ بے حیائی ہے اور غضب والا (فعل) ہے، اور بُرا راستہ ہے"

مذکورہ آیت میں نکاح سے عقدِ نکاح مراد ہے، اور اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ جس عورت سے کسی کے باپ نے نکاح کرلیا ہو، اگرچہ اس عورت سے صحبت بھی نہ کی ہو، تب بھی اس شخص کی اولاد کو اس عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں ہوتا۔

اور عربی زبان کے آباء کے مفہوم میں باپ، دادا، پردادا سب داخل ہیں۔

زمانۂ جاہلیت میں باپ کے فوت ہونے کے بعد اس کی بیوی، یعنی اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کو

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قوله :(ومن الصهر سبع) صهره وأصهره إذا قربه وأدناه، والصهر حرمة التزويج، والفرق بينه وبين النسب أن النسب ما رجع إلى ولادة قريبة من جهة الآباء ، والصهر ما كان من خلطة نسبة القرابة يحدثها التزويج. المحرمات من النسب الأمهات والبنات والأخوات والعمات والخالات، وبنات الأخ وبنات الأخت.

ومن الصهر من تحرم على التأبيد :أم الزوجة وزوجة الابن وابن الابن وإن سفل، وزوجة الأب والأجداد وإن علت، وبنت الزوجة بعد الدخول على الأم .ومن يحرم على غير التأبيد كأخت الزوجة وعمتها وخالتها(شرح الطيبي على مشكاة المصابيح، ج۷، ص۲۳۰۳، كتاب النكاح،باب المحرمات)

www.idaraghufran.org

حلال سمجھا جاتا تھا، جس کو اللہ نے سختی کے ساتھ حرام قرار دیا، اور اس کو فاحشہ، یعنی سخت بے حیائی، اور اللہ کی ناراضگی والا کام، اور برا راستہ بتلایا، اور اسی وجہ سے اس حرمت کے رشتہ کو سب سے پہلے بیان فرمایا، لیکن اسلام کا یہ حکم آنے سے پہلے زمانۂ جاہلیت میں جو اس طرح نکاح کیا جا چکا تھا، اس گناہ کو معاف قرار دے دیا گیا، جبکہ اسلام کا یہ حکم آنے کے بعد اس سے علیٰحدگی، اور توبہ کر لی جائے، چنانچہ تفسیر خازن میں ہے:

سماه فاحشة لأن زوجة الأب فی منزلة الأم ونكاح الأمهات حرام فلما كان ذلک كذلک سماه الله فاحشة لأنه من أقبح المعاصی وَمَقْتاً يعنی أنه يورث المقت من الله وهو أشد الغضب وغاية الخزی والخسارة وَساءَ سَبِيلًا أی وبئس طريقا لأنه يؤدی إلی مقت الله (تفسير الخازن، ج ۱، ص ۳۵۸، تفسير سورة النساء)

ترجمہ: اس فعل کا نام فاحشۃ رکھا، کیونکہ باپ کی بیوی، دراصل ماں کے درجہ میں ہے، اور ماؤں سے نکاح کرنا حرام ہے، پس جب یہ صورتِ حال ہے، تو اللہ نے اس کا فاحشہ نام رکھا، کیونکہ فاحشہ گناہوں میں قبیح ترین فعل ہے، اور مقتا، کا مطلب ہے کہ یہ فعل اللہ کی سخت ناراضگی کا سبب ہے، جو شدید غضب، اور انتہائی رسوائی، اور خسارہ کا باعث ہے، اور ساء سبیلا کا مطلب یہ ہے کہ یہ برا رستہ ہے، کیونکہ یہ اللہ کی سخت ناراضگی کی طرف پہنچاتا ہے (تفسیر خازن)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

لَمَّا تُوُفِّیَ أَبُو قَيْسِ بْنِ الْأَسْلَتِ أَرَادَ ابْنُهُ أَنْ يَتَزَوَّجَ امْرَأَتَهُ مِنْ بَعْدِهِ، فَكَانَ ذَلِكَ لَهُمْ فِی الْجَاهِلِيَّةِ، فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ (لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا (السنن الكبریٰ للنسائی، رقم الحديث ۱۱۰۲۹، كتاب التفسير، سورة النساء) [1]

ترجمہ: جب ابوقیس بن اسلت کی وفات ہوگئی، تو ان کے بیٹے نے ان کی وفات کے

[1] قال ابن حجر العسقلانی: إسناد حسن (فتح الباری لابنِ حجر، ج۸، ص۲۴۷، باب قوله لا يحل لكم أن ترثوا النساء كرها)

بعدان کی بیوی (اوراپنی سوتیلی ماں) سے نکاح کرنا چاہا، جو اِن کے زمانہ جاہلیت میں جائز سمجھا جاتا تھا، تواس موقع پراللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی کہ: لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا'' (سنن کبری نسائی)

یہ واقعہ دوسری سندوں سے بھی مروی ہے، جن میں اس موقع پر ''وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ'' والی آیت نازل ہونے کا ذکر ہے۔

(ملاحظہ ہو:المعجم الكبير للطبراني،رقم الحديث ٩٧٨،السنن الكبرىٰ للبيهقي،رقم الحديث ١٤٠٣٢،باب ما جاء في قول الله عز وجل :ولا تنكحوا مانكح آباؤكم من النساء .تفسير الطبري،رقم الحديث ٨٩٣٨،تفسير سورة النساء)

حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَرْسَلَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى رَجُلٍ تَزَوَّجَ امْرَأَةَ أَبِيهِ أن أقتله أو أضرب عنقه (صحيح ابنِ حبان،رقم الحديث ٤١١٢،ذِكْرُ الزَّجْرِ عَنْ تَزَوُّجِ الْمَرْءِ امْرَأَةَ أَبِيهِ أَوْ وَطْئِهِ جَارِيَتَهُ الَّتِي هِيَ فِي فِرَاشِهِ) [1]

ترجمہ: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کی طرف بھیجا، جس نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کرلیا تھا کہ میں اس کو قتل کروں، یا اس کی گردن اڑادوں (صحیح ابنِ حبان)

قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیت میں باپ کی بیوی سے نکاح کرنے کو ''فاحشہ، یعنی سخت بے حیائی ،اوراللہ کی ناراضگی والا کام، اور برا رستہ بتلایا گیا ہے، اس لئے اسلام کا حکم آنے کے بعد اس کی خلاف ورزی پر سخت سزاء ہونی چاہیے تھی۔

اس لئے بعض حضرات نے باپ کی بیوی سے نکاح کرنے پر قتل کی سزاء کو مقرر کیا ہے۔

لیکن دیگر جمہور واکثر فقہائے کرام کی رائے یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں قتل کرنے کا حکم اس لئے دیا گیا کہ اس نے اس فعل کو حلال سمجھ کر اختیار کیا تھا، جس کی بناء پر وہ کافر ومرتد ہوگیا تھا۔ [2]

---

[1] قال شعيب الأرنؤوط :إسناده حسن(حاشية ابنِ حبان)

[2] وأشهر حديث في الباب حديث البراء لقيت خالي ومعه الراية فقال بعثني رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى رجل تزوج امرأة أبيه أن اضرب عنقه أخرجه أحمد وأصحاب السنن وفي سنده اختلاف كثير وله شاهد من طريق معاوية بن مرة عن أبيه أخرجه بن ماجه والدارقطني وقد قال بظاهره أحمد وحمله الجمهور على من استحل ذلك بعد العلم بتحريمه بقرينة الأمر بأخذ ماله وقسمته(فتح الباری،لابنِ حجر،ج١٢،ص١١٨،كتاب الحدود،باب رجم المحصن)

www.idaraghufran.org

درسِ حدیث

مفتی محمد رضوان

احادیثِ مبارکہ کی تفصیل وتشریح کا سلسلہ

''حوقلہ'' کے فضائل وفوائد (قسط1)

''ذکرُ اللہ'' کی ایک قسم کو ''حوقلہ'' کہا جاتا ہے، یعنی جس میں ''لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ'' کا ذکر ہو، اس کی فضیلت بھی بہت عظیم ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کے محبوب اذکار میں سے ہے، اس میں دراصل ہر چیز کو اللہ کے سپرد کرنا، اور اللہ کے ہر فیصلہ سے راضی اور خوش ہونا پایا جاتا ہے، جس میں اچھی اور بری تقدیر پر ایمان لانا، اور کائنات کی ہر نقل وحرکت کو اللہ کی محتاج ماننا بھی داخل ہے، جو دراصل اللہ کی ذات اور اس کی جملہ صفات کی تکمیل، بلکہ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود جیسے معرکۃ الآراء بحث ومباحثہ پر مشتمل موضوعات سے لاکھ درجہ بہتر ہے۔ [1]

حوقلہ جنت کے خزانوں میں سے عظیم خزانہ ہے

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَلَا أَدُلُّکَ عَلٰی کَلِمَةٍ مِّنْ کَنْزٍ مِنْ کُنُوزِ الْجَنَّةِ ؟قُلْتُ: بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَدَاکَ أَبِیْ وَأُمِّیْ ،قَالَ:

---

[1] الحوقلة:هی قول " :لا حول ولا قوة إلا بالله ."ومعناها علی ما قال ابن حجر :لا تحویل للعبد عن معصیة الله إلا بعصمة الله، ولا قوة له علی طاعة الله إلا بتوفیق الله، وفی الفتوحات الربانیة أن تفسیرها بذلک رواه البزار عن ابن مسعود مرفوعا وفی لفظه :بعون الله .وقال النووی :هی استسلام وتفویض، وأن العبد لا یملک من أمره شیئا، ولیس له حیلة فی دفع شر ولا قوة فی جلب نفع، إلا بإرادة الله تعالی وتوفیقه.
وورد فی فضلها أن النبی صلی الله علیه وسلم قال لأبی موسی الأشعری :یا عبد الله بن قیس، ألا أعلمک کلمة هی من کنوز الجنة :لا حول ولا قوة إلا بالله .
وورد الأمر بقولها مطلقا کما تقدم، وورد الأمر بقولها فی إجابة المؤذن عند قوله :حی علی الصلاة، وحی علی الفلاح وورد فی القرآن الأمر بها فی قوله تعالی :(ولولا إذ دخلت جنتک قلت ما شاء الله لا قوة إلا بالله) . واستیفاء ذلک فی مصطلح :(حوقلة)(الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج ۲۱،ص ۲۳۲، مادة "ذکر"حرف الذال)

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ (صحيح البخاری، رقم الحديث ۴۲۰۵، كتاب المغازی، باب غزوة خيبر)

ترجمہ: کیا میں تمہیں جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانے (پر مشتمل کلمات) نہ بتلاؤں؟ میں نے عرض کیا، کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ" ہے (صحیح بخاری)

بعض روایات میں کچھ کلمات کا اضافہ بھی ہے۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

يَا أَبَا هُرَيْرَةَ، أَلَا أَدُلُّكَ عَلٰى كَنْزٍ مِنْ كُنُوْزِ الْجَنَّةِ؟ قُلْتُ: بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، قَالَ: تَقُوْلُ: "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا مَلْجَأَ، وَلَا مَنْجَا مِنَ اللّٰهِ إِلَّا إِلَيْهِ" ثُمَّ قَالَ: يَا أَبَا هُرَيْرَةَ تَدْرِيْ مَا حَقُّ اللّٰهِ عَلَى الْعِبَادِ، وَمَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللّٰهِ؟ قَالَ: قُلْتُ: اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَعْلَمُ، قَالَ: حَقُّ اللّٰهِ عَلَى الْعِبَادِ أَنْ يَّعْبُدُوْهُ، وَلَا يُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا، وَحَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللّٰهِ أَنْ لَّا يُعَذِّبَ مَنْ لَّا يُشْرِكُ بِهٖ (المستدرک للحاکم، رقم الحديث ۱۹۰۱، كتاب الدعاء، والتكبير، والتهليل، والتسبيح والذكر) [1]

ترجمہ: اے ابو ہریرہ! کیا میں تمہیں جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ نہ بتادوں؟ میں نے عرض کیا کہ بے شک اے اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا کہ تم یہ کہو کہ:

"لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ، وَلَا مَلْجَأَ، وَلَا مَنْجَا مِنَ اللّٰهِ إِلَّا إِلَيْهِ وَلَا مَلْجَأَ مِنَ اللّٰهِ إِلَّا إِلَيْهِ"

(کسی خیر کے حاصل کرنے، یا کسی شر سے بچنے میں کامیابی اللہ ہی کے حکم سے ہوسکتی ہے، اور اللہ کے علاوہ کوئی ٹھکانہ نہیں ہے، اور اللہ کے علاوہ کوئی نجات پانے کی جگہ بھی نہیں ہے)

[1] قال الحاكم: هذا حديث صحيح الإسناد، ولم يخرجاه هكذا.

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابو ہریرہ! آپ جانتے ہو کہ اللہ کا حق بندوں پر کیا ہے، اور بندوں کا حق، اللہ پر کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول کو ہی زیادہ علم ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ وہ اللہ ہی کی عبادت کریں، اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں، اور بندوں کا حق، اللہ پر یہ ہے کہ وہ اس (عبادت کرنے والے) بندہ کو عذاب نہ دے، جو اس کے ساتھ شرک نہیں کرتا (حاکم)

حوقلہ جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَلَا أَدُلُّكَ عَلٰى بَابٍ مِنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ؟ قَالَ: وَمَا هُوَ؟ قَالَ: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ (مسند احمد، رقم الحديث ٢١٩٩٦) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ کیا میں تمہیں جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ نہ بتادوں؟ میں نے عرض کیا کہ وہ کیا ہے؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ" ہے (مسند احمد)

اور حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ:

أَلَا أَدُلُّكَ عَلٰى بَابٍ مِنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ؟ قُلْتُ: بَلٰى، قَالَ: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ (مسند احمد، رقم الحديث ١٥٤٨٠) [2]

ترجمہ: کیا میں تمہیں جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ نہ بتادوں؟ میں نے عرض کیا کہ بالکل بتلا دیجئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ ہے (مسند احمد) (جاری ہے.....)

---

[1] قال شعيب الأرنؤوط: حسن لغيره (حاشية مسند احمد)

[2] قال شعيب الأرنؤوط: حسن لغيره (حاشية مسند احمد)

www.idaraghufran.org

مقالات ومضامین مفتی محمد رضوان

افادات وملفوظات

سنی، رافضی، ناصبی وخارجی میں فرق

(25-ربیع الاول-1448ھ)

علامہ ابنِ تیمیہ تمام فرقۂ فرقۂ مبتدعہ، بطور خاص خوارج اور روافض کے سلف کے طریقہ پر نہ ہونے کی توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

جميع المبتدعة يزعمون أنهم على مذهب السلف "فليس الأمر كذلك بل الطوائف المشهورة بالبدعة كالخوارج والروافض لا يدعون أنهم على مذهب السلف بل هؤلاء يكفرون جمهور السلف .فالرافضة تطعن في أبي بكر وعمر وعامة السابقين الأولين من المهاجرين والأنصار والذين اتبعوهم بإحسان وسائر أئمة الإسلام .فكيف يزعمون أنهم على مذهب السلف ولكن ينتحلون مذهب أهل البيت كذبا وافتراء .وكذلك الخوارج قد كفروا عثمان وعليا وجمهور المسلمين من الصحابة والتابعين؛ فكيف يزعمون أنهم على مذهب السلف؟ (مجموع الفتاوىٰ، ج۴، ص۱۵۳، كتاب مفصل الاعتقاد، بيان قول القائل :مذهب السلف انما هو التوحيد والتنزيه دون التجسيم والتشبيه)

ترجمہ: تمام اہلِ بدعت فرقے یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ سلف کے مذہب پر ہیں، حالانکہ معاملہ اس طرح نہیں ہے، بلکہ مشہور اہلِ بدعت کے فرقے، جیسا کہ خوارج اور روافض تو یہ دعویٰ کر ہی نہیں کر سکتے کہ وہ سلف کے مذہب پر ہیں، بلکہ یہ لوگ تو جمہور سلف کی تکفیر کرتے ہیں، چنانچہ رافضی ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما، اور مہاجرین وانصار کے عامۃ صحابہ، اور ان کی نیکیوں میں اتباع کرنے والے حضرات اور تمام ائمہ اسلام کی شان میں طعن کرتے ہیں، پس یہ کیسے گمان کر سکتے ہیں کہ یہ سلف کے مذہب پر ہیں، لیکن یہ تو اہلِ بیت کے مذہب کی طرف جھوٹ اور افتراء پردازی کے ساتھ نسبت کرتے ہیں۔

www.idaraghufran.org

اوراور اسی طرح خوارج نے حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما،اور جمہور مسلمین،صحابہ وتابعین کی تکفیر کی،تو یہ کیسے گمان کر سکتے ہیں کہ وہ سلف کے مذہب پر ہیں؟(مجموع الفتاویٰ)

اوراہلُ السنۃ چونکہ مذکورہ روافض وخوارج کے طریقہ سے بچ کر جملہ صحابۂ کرام کی تکریم وتعظیم کرتے ہیں،اس لیے وہ ہی سلف کے مذہب پر ہیں۔

چنانچہ علامہ ابنِ تیمیہ ایک مقام پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے حوالہ سے سنی کا،رافضی،وناصبی سے فرق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

أنهم يؤمنون بأن الخليفة بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم أبو بكر ثم عمر ثم عثمان ثم عليٌ .....ويحبون أهل بيت رسول الله صلى الله عليه وسلم ويتولونهم.....ويتولون أزواج رسول الله صلى الله عليه وسلم أمهات المؤمنين ويؤمنون بأنهن أزواجه فى الآخرة.....

ويتبرئون من طريقة الروافض الذين يبغضون الصحابة ويسبونهم .

ومن طريقة النواصب الذين يؤذون أهل البيت بقول أو عمل .

ويمسكون عما شجر بين الصحابة.ويقولون: إن هذه الآثار المروية فى مساويهم منها ما هو كذب ومنها ما قد زيد فيه ونقص وغير عن وجهه.

والصحيح منه: هم فيه معذورون إما مجتهدون مصيبون وإما مجتهدون مخطئون وهم مع ذلک لا يعتقدون أن كل واحد من الصحابة معصوم عن كبائر الإثم وصغائره؛ بل تجوز عليهم الذنوب فى الجملة ولهم من السوابق والفضائل ما يوجب مغفرة ما يصدر منهم إن صدر حتى إنه يغفر لهم من السيئات ما لا يغفر لمن بعدهم لأن لهم من الحسنات التى تمحو السيئات ما ليس لمن بعدهم وقد ثبت بقول رسول الله صلى الله عليه وسلم "إنهم خير القرون " "وإن المد من أحدهم إذا تصدق به كان أفضل من جبل أحد ذهبا ممن بعدهم "

ثم إذا كان قد صدر من أحدهم ذنب فيكون قد تاب منه أو أتى بحسنات تمحوه أو غفر له بفضل سابقته أو بشفاعة محمد صلى الله عليه وسلم الذى هم أحق الناس بشفاعته أو ابتلى ببلاء فى الدنيا كفر به عنه .فإذا كان هذا فى الذنوب المحققة فكيف بالأمور التى كانوا فيها مجتهدين: إن

أصابوا فلهم أجران وإن أخطئوا فلهم أجر واحد والخطأ مغفور لهم؟
ثم القدر الذى ينكر من فعل بعضهم قليل نزر مغمور فى جنب فضائل القوم ومحاسنهم من الإيمان بالله ورسوله والجهاد فى سبيله والهجرة والنصرة والعلم النافع والعمل الصالح.
ومن نظر فى سيرة القوم بعلم وبصيرة وما من الله به عليهم من الفضائل علم يقينا أنهم خير الخلق بعد الأنبياء لا كان ولا يكون مثلهم وأنهم هم الصفوة من قرون هذه الأمة التى هى خير الأمم وأكرمها على الله تعالى (مجموع الفتاوىٰ، ج۳، ص۱۵۳، الیٰ ۱۵۶، ملخصاً، کتاب مجمل اعتقاد السلف، براء ة اهل السنة من طريقة والروافض والنواصب فى اهل البيت)

ترجمہ: بے شک یہ (اہل السنہ) اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ برحق حضرت ابوبکر، پھر حضرت عمر، پھر حضرت عثمان، اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہم ہیں.....اور یہ حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت سے سے محبت اور عقیدت کا تعلق رکھتے ہیں.....اور یہ حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات وامہاتُ المؤمنین سے بھی مودت وعقیدت کا تعلق رکھتے ہیں، اور اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ ازواجِ مطہرات، آخرت (وجنت) میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوں گی.....اور یہ حضرات روافض کے طریقوں سے برائت کرتے ہیں، جو صحابہ سے بغض رکھتے، اور ان کو برا کہتے ہیں، اور نواصب کے طریقہ سے بھی برائت کرتے ہیں، جو اہلِ بیت کو قولی، یا فعلی طریقہ پر ایذاء پہنچاتے ہیں۔

اور صحابۂ کرام کے درمیان جو اختلافات رونما ہوئے، ان سے رکتے ہیں، اور یہ کہتے ہیں کہ وہ روایات جو ان صحابہ کی برائیوں میں روایت کی جاتی ہیں، ان میں سے بعض تو جھوٹی ہیں، اور بعض روایات میں یا تو کچھ اضافہ کر دیا گیا ہے، یا کچھ کم کر دیا گیا ہے، یا ان میں اُن کی اصل حالت سے تغییر وتحریف کر دی گئی ہے۔

اور ان میں جو صحیح باتیں ہیں، اُن میں وہ صحابہ معذور ہیں، یا تو مجتہد مصیب ہیں، اور یا مجتہد مخطئی ہیں (اور دونوں ہی کم وبیش اجر وثواب کے مستحق ہیں) لیکن اس کے باوجود

اہلُ السنہ یہ عقیدہ نہیں رکھتے کہ صحابہ میں سے ہر ایک کبیرہ اور صغیرہ گناہوں سے معصوم ہے، بلکہ ان سے فی الجملہ گناہوں کا صدور ممکن ہے، لیکن ان حضرات کی کار خیر میں سبقت لے جانے والی نیکیاں اور مختلف فضائل ہیں، جو اُن سے اگر کوئی گناہ صادر ہوا ہو، تو اس کی مغفرت کا موجب ہیں، یہاں تک کہ ان کی برائیوں کی اس طرح مغفرت کردی جاتی ہے، جس طرح کی دوسروں کی برائیوں کی مغفرت نہیں کی جاتی، کیونکہ ان کی عظیم نیکیاں، ان کی برائیوں کو اس طرح مٹا دیتی ہیں، جس طرح ان کے بعد والوں کی نہیں مٹا تیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے یہ ثابت ہے کہ وہ خیر القرون ہیں، اور ان میں سے کسی کا ایک مد صدقہ کرنا، ان کے بعد والوں کے احد پہاڑ کے برابر سونا صدقہ کرنے سے افضل ہے۔

پھر اگر ان میں سے کسی سے کوئی گناہ صادر ہوا ہو، تو ہوسکتا ہے کہ اس نے اس گناہ سے توبہ کرلی ہو، یا ایسی نیکیاں کرلی ہوں، جو اس گناہ کو مٹا دیتی ہیں، یا اس کی سابقہ نیکیوں کی فضیلت، یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی وجہ سے ''جس کے وہ دوسرے سب لوگوں کے مقابلہ میں زیادہ حق دار ہیں'' یا دنیا میں کسی ایسی آزمائش کی وجہ سے جو اس گناہ کو مٹا دیتی ہے، اس کے گناہ کو مٹا دیا ہو۔

پس جب یہ سب باتیں طے شدہ گناہوں کے بارے میں موجود ہیں، تو ان باتوں کے متعلق کیا صورتِ حال ہوگی، جن میں وہ مجتہد ہیں، اگر وہ مصیب ہوں، تو دو اجر وثواب کے مستحق ہیں، اور اگر وہ مخطئی ہوں، تو ایک اجر کے مستحق ہیں، اور ان کی خطاء معاف شدہ ہے۔

پھر ان صحابہ میں سے بعض کے جس فعل پر نکیر کی جاتی ہے، وہ قلیل، اور بہت کم ہے، جو ان حضرات کے فضائل، اور محاسن میں گم ہو کر رہ جاتا ہے، جو ان کو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے، اور اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے، اور ہجرت اور نصرت کرنے، اور علمِ نافع، اور عملِ صالح کی شکل میں حاصل ہوئے ہیں۔

اور جو شخص بھی علم وبصیرت کی روشنی میں ان صحابۂ کرام کی سیرت، اور جو کچھ اللہ نے ان کو

فضائل ومناقب عطاء فرمائے ہیں، ان پر نظر ڈالے گا، تو وہ یقینی طور پر یہ بات جان لے گا کہ یہ حضرات انبیائے کرام کے بعد خیرُ الخلق ہیں، نہ تو (نبیوں کے علاوہ) ان جیسے پہلے ہوئے، اور نہ آئندہ ہوں گے، اور یہ حضرات اس امت کے، جو تمام امتوں میں بہترین امت، اور اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ اعزار واکرام والی امت ہے، اس امت کے سب سے بہترین قرن وزمانہ کے چنیدہ اور نکھرے ہوئے حضرات ہیں (مجموع الفتاویٰ)

علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے تعلق اور ان کی شان سے متعلق اہلُ السنہ کا دوسرے اہلُ البدعہ فرقوں کے درمیان جو فرق ومعیار بیان فرمایا، اور اس سلسلہ میں جس طرح توضیح وتشریح فرمائی، وہ حق وصواب اور کافی وافی ہے۔

افسوس ہے کہ آج کل علم کی کمزوری کی حالت اس درجہ ابتر ہو چکی ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے حوالہ سے اہلُ السنہ والجماعہ کی طرف نسبت کرنے والے بہت سے اہلِ علم بھی ذرا ذرا سی باتوں پر آپس میں دست وگریباں ہیں، جو ایک دوسرے پر ناصبی، ورافضی وغیرہ ہونے کا الزام عائد کرتے ہیں، اور وہ جادۂ اعتدال سے ہٹ کر افراط، یا تفریط کا شکار ہو چکے ہیں، جس کی وجہ یا تو کم علمی ہے، یا عمل وتربیت کا فقدان ہے، جو محض تعصب وگروہ بندیوں کی بناء پر ایک دوسرے کی حمایت، یا مخالفت کرتے ہیں، اور اس کے نتیجہ میں وہ نہ تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی اس شان میں ذرہ برابر اضافہ کر سکتے، جو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ان صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو حاصل ہے، اور نہ ہی اس میں ادنیٰ درجہ کی کمی لا سکتے، بلکہ وہ خود اس طرزِ عمل کی وجہ سے اپنے نامۂ اعمال کو خراب کرتے ہیں۔ اللہ حفاظت فرمائے، آمین۔

کرسی پر بیٹھ کر، اور چوکڑی مار کر نماز پڑھنا

(28-ربیع الاول-1448ھ)

آج کل بہت سے لوگ کرسی پر نماز پڑھتے ہیں، اور اس حالت میں زمین پر پیشانی ٹیک کر سجدہ بھی نہیں کرتے، بلکہ اشارہ سے سجدہ کر لیتے ہیں، جبکہ وہ زمین پر کسی بھی حالت میں، مثلاً چوکڑی مار کر نماز پڑھنے، اور زمین پر پیشانی ٹیک کر سجدہ کرنے پر قادر ہوتے ہیں، اور اس طرح یہ لوگ نماز کے

سب سے اہم رکن ''سجدہ'' سے محروم ہو جاتے ہیں۔

احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بندہ سب سے زیادہ اللہ کے قریب سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :أَقْرَبُ مَا يَكُونُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّهِ، وَهُوَ سَاجِدٌ(صحيح مسلم،رقم الحديث ٤٨٢"٢١٥"كتاب الصلاة،بَابُ مَا يُقَالُ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتا ہے، جب وہ سجدہ کر رہا ہوتا ہے (صحیح مسلم)

آج کل کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کا چونکہ بکثرت رواج ہو گیا ہے، اور نماز میں چوکڑی مار کر بیٹھنے کا اس طرح رواج نہیں رہا، اس لئے چوکڑی مار کر بیٹھنے، اور اس طرح نماز پڑھنے کو تو معیوب سمجھا جانے لگا ہے، جس میں زمین پر پیشانی رکھ کر سجدہ کیا جا سکتا ہے، لیکن کرسی پر نماز پڑھنے کو معیوب نہیں سمجھا جاتا، جس میں زمین پر سجدہ بھی نہیں کیا جاتا، اور نماز کے ایک اہم فریضہ کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

فقہائے کرام نے اس پر بحث کی ہے کہ جب کوئی مریض و معذور کھڑے ہو کر نماز پڑھنے پر قادر نہ ہو، تو وہ کس طرح بیٹھ کر نماز پڑھے؟

اکثر فقہائے کرام کے نزدیک چوکڑی مار کر بیٹھنا افضل ہے، اور بعض کے نزدیک دوزانو بیٹھنا افضل ہے، لیکن چوکڑی مار کر بیٹھنا بھی بلا کراہت جائز ہے۔ [1]

---

[1] واختلفوا فی هيئة الجلوس إذا عجز المصلی عن القيام كيف يقعد؟

فذهب المالكية فی المشهور عندهم، والشافعية فی قول، والحنابلة إلى: أنه إذا قعد المعذور يندب له أن يجلس متربعا، وهو رواية عن أبی يوسف .ويرى أبو حنيفة – فی رواية محمد عنه وهی ما صححها العينی – أن المعذور إذا افتتح الصلاة يجلس كيفما شاء، لأن عذر المرض يسقط الأركان عنه، فلأن يسقط عنه الهيئات أولى.وروى الحسن عن أبی حنيفة: أنه يتربع، وإذا ركع يفترش رجله اليسرى ويجلس عليها.

ويرى الشافعية فی الأظهر من القولين – وهو قول زفر من الحنفية – أنه يقعد مفترشا.

وذهب المالكية فی قول – وهو ما اختاره المتأخرون – أن المعذور يجلس كما يجلس للتشهد .وهناك تفاصيل فيمن له أن يصلی جالسا، وفی هيئة الذی لا يقدر على الجلوس ولا على القيام تنظر فی مصطلحات: (صلاة المريض، عذر، وقيام)(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ١١،ص ١٦٠، وص ١٦١،مادة"تربع" حرف التاء)

البتہ جب تک دوزانو بیٹھنے کی قدرت ہو،اس وقت فرض نماز میں چوکڑی مار کر بیٹھنا مکروہ ہے۔ [1]
لیکن فرض نماز کے علاوہ کو بلا عذر بیٹھ کر پڑھنا بھی جائز ہے،اگر چہ کھڑے ہوکر پڑھنا افضل ہے۔ [2]
پھر غیر فرض نماز میں بیٹھنے کی کیفیت کے متعلق اکثر فقہائے کرام، قیام وقرائت والی حالت میں چوکڑی مار کر بیٹھنے کو افضل قرار دیتے ہیں۔
اور بعض حضرات چوکڑی مار کر بیٹھنے،اور دوزانو بیٹھنے میں اختیار دیتے ہیں،جبکہ بعض حضرات پوری نماز میں دوزانو بیٹھنے کو افضل کہتے ہیں۔ [3]

---

[1] التربع فی الفریضة بغیر عذر:
التربع مخالف للهيئة المشروعة فی الفريضة فی التشهدين جميعا.
وقد صرح الحنفية بكراهة التربع من غير عذر؛ لما روى أن عبد الله بن عمر رضی الله عنهما رأى ابنه يتربع فی صلاته، فنهاه عن ذلک، فقال: رأيتک تفعله يا أبت، فقال: إن رجلی لا تحملانی .ولأن الجلوس على الركبتين أقرب إلى الخشوع، فكان أولى .
وهذا ما يفهم من عبارات المالكية أيضا، لأنهم يعدون الإفضاء فی الجلوس من مندوبات الصلاة، ويعتبرون ترک سنة خفيفة عمدا من سنن الصلاة مكروها.
ويسن عند الشافعية فی قعود آخر الصلاة التورک، وفی أثنائها الافتراش.
ويقول الحنابلة بسنية الافتراش فی التشهد الأول، والتورک فی التشهد الثانی .
ونقل ابن عبد البر إجماع العلماء على عدم جواز التربع للصحيح فی الفريضة .وقال ابن حجر العسقلانی: لعل المراد بكلام ابن عبد البر بنفی الجواز إثبات الكراهة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ١١،ص ١٦١،مادة"تربع" حرف التاء)

[2] لا خلاف فی جواز التطوع قاعدا مع القدرة على القيام، ولا فی أن القيام أفضل(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ١١، ص ١٦١،مادة"تربع" حرف التاء)

[3] أما كيفية القعود فی التطوع فقد اختلف فيها:
فذهب المالكية والحنابلة والشافعية فی قول – وهو رواية عن أبی يوسف ومحمد – إلى أنه يستحب للمتطوع جالسا أن يكبر للإحرام متربعا ويقرأ، ثم يغير هيئته للركوع أو السجود على اختلاف بينهم، وروى ذلک عن ابن عمر وأنس رضی الله عنهم .كما روى عن ابن سيرين ومجاهد وسعيد بن جبير والثورى وإسحاق رحمهم الله .ويرى أبو حنيفة ومحمد – فيما نقله الكرخی عنه – تخيير المتطوع فی حالة القرائة بين القعود والتربع والاحتباء.وعن أبی يوسف أنه يحتبی، هذا ما اختاره الإمام خواهر زاده؛ لأن عامة صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم فی آخر العمر كان محتبيا؛ ولأنه يكون أكثر توجها بأعضائه إلى القبلة.
وقال زفر: يقعد فی جميع الصلاة كما فی التشهد، هذا ما اختاره السرخسی.
وقال الفقيه أبو الليث: وعليه الفتوى لأنه المعهود شرعا فی الصلاة.
وقال الشافعية فی أصح الأقوال: إن المتطوع يقعد مفترشا .(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ١١،ص ١٦٢،مادة"تربع" حرف التاء)

www.idaraghufran.org

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ نماز میں چوکڑی مار کر بیٹھنے کو بہر حال معیوب سمجھنا درست نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ متعدد صحابہ وتابعین سے نماز میں چوکڑی مار کر بیٹھنا ثابت ہے۔ [1]

اس لئے اگر کوئی شخص نماز میں چوکڑی مار کر بیٹھنے اور زمین پر سجدہ کرنے پر قادر ہو، تو اس کو اسی طرح نماز پڑھنی چاہیے، اور اس کے بجائے کرسی پر نماز پڑھنا، اور زمین پر سجدہ کو ترک کر دینا درست نہیں۔

اللہ تعالیٰ عملِ صحیح کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

---

[1] حدثنا جرير ، وهشيم ، عن مغيرة ، عن سماك بن سلمة الضبي ، قال : رأيت ابن عمر ، وابن عباس وهما متربعان في الصلاة.

حدثنا حفص ، عن عقبة ، قال : رأيت أنسا يصلي متربعا.

حدثنا وكيع ، عن سعيد بن عبيد الطائي ، عن أخيه ، قال : رأيت أنسا يصلي متربعا.

حدثنا وكيع ، قال : حدثنا سفيان ، عن عمر الأنصاري ، قال : رأيت أنسا يصلي متربعا على طنفسة.

حدثنا وكيع ، عن سفيان ، عن محمد بن جحادة ، قال : رأيت سالما يصلي متربعا .

حدثنا وكيع ، عن سفيان ، عن منصور ، عن رجاء ، عن مجاهد ، قال : يصلي متربعا.

حدثنا معاذ بن معاذ ، عن حميد ، قال : رأيت أبا بكر يصلي متربعا ومتكئا.

حدثنا وكيع ، عن إسماعيل بن عبد الملك ، قال : رأيت عطاء يصلي متربعا.

حدثنا وكيع ، قال : حدثنا جرير بن حازم ، قال : رأيت ابن سيرين يصلي متربعا.

حدثنا عبيد الله بن موسى ، عن إسرائيل ، عن جابر ، عن أبي جعفر ؛ أنه كان يجلس في الصلاة متربعا.

حدثنا وكيع ، عن الفضل بن دلهم ، عن الحسن ، قال : لا بأس أن يصلي في التطوع متربعا(مصنف ابنِ ابی شیبة، کتاب الصلاة، باب من رخص في التربع في الصلاة)

حدثنا وكيع ، قال : حدثنا سفيان ، عن حماد ، عن إبراهيم ، قال : إذا صلى قاعدا جعل قيامه متربعا.

حدثنا أسباط بن محمد ، عن مطرف ، عن سليمان بن بزيع ، قال : دخلت على سالم وهو يصلي جالسا ، فإذا كان الجلوس جثا لركبتيه ، وإذا كان القيام تربع.

حدثنا وكيع،قال:قال سفيان:إذا صلى جالسا جعل قيامه متربعا ، فإذا أراد أن يركع ركع وهو متربع ، فإذا أراد أن يسجد ثنى رجله(مصنف ابنِ ابی شیبة ،کتاب الصلاة، باب من قال إذا صلى وهو جالس جعل قيامه متربعا)

حدثنا وكيع ، قال : حدثنا مسعر ، عن حماد ، عن مجاهد ، عن سعيد بن جبير ، قال : إذا صلى متربعا ، قال مسعر : أو كما قال ، يجلس ، فإذا أراد أن يركع ، أو يسجد ثنى رجله.

حدثنا وكيع ، قال :حدثنا سفيان،عن هشام ، عن ابن سيرين ، قال:يصلي متربعا ، فإذا أراد أن يركع ثنى رجله.

حدثنا وكيع ، قال : حدثنا حسن ، عن أبي حفص ، قال : رأيت أنسا يصلي متربعا ، فإذا أراد أن يركع ثنى رجله(مصنف ابنِ ابی شیبة، کتاب لصلاة، باب من قال إذا صلى متربعا فليثن رجله)

www.idaraghufran.org

علم کے مینار (امت کے علماء وفقہاء: قسط69) مفتی غلام بلال

مسلمانوں کے علمی کارناموں وکاوشوں پر مشتمل سلسلہ

فقہ مالکی، منہج، تلامذہ، کتب، مختصر تعارف (سینتالیسواں حصہ)

القوانينُ الفقهية:

"القوانينُ الفقهية" مالکی فقہ پر مشتمل ایک نہایت مشہور، مستند اور بنیادی کتاب ہے، جسے آٹھویں صدی ہجری کے مشہور مالکی عالم، اور اندلس کے معروف فقیہ اور محدث علامہ ابوالقاسم، محمد بن احمد ابن جزی الغرناطی (متوفی: 741ھ بمطابق 1340ء) نے تالیف کیا ہے، جو "ابن جزی الغرناطی" کے نام سے زیادہ مشہور ہیں، کتاب کا پورا نام "القوانين الفقهية في تلخيص مذهب المالكية والتنبيه على مذهب الشافعية والحنفية والحنبلية" ہے۔

چنانچہ "القوانينُ الفقهية" کو مالکی مکتبِ فکر کے اندر بہت اونچا مقام حاصل ہے، فتوے اور درس وتدریس کے لیے اسے ایک معتبر مرجع مانا جاتا ہے، جس کے حوالہ جات مالکی کے فقہ علاوہ دیگر فقہی کتب میں بھی بکثرت پائے جاتے ہیں۔

علامہ ابن جزی الغرناطی نے اپنی اس تالیف میں مالکی فقہ کے قواعد اور مسائل کو نہایت اختصار کے ساتھ مرتب کیا ہے، اور ساتھ ساتھ دوسرے بڑے فقہی مذاہب کے اقوال کو بھی شامل کیا ہے، اس طرح یہ کتاب مالکی فقہ کے مطالعہ کے ساتھ ساتھ فقہ المقارن (Comparative Fiqh) یعنی دوسرے فقہی مذاہب سے واقفیت حاصل کے لیے ایک بہترین علمی شاہکار مانی جاتی ہے، کتاب کا نام ہی اس کا موضوع وعنوان ہے، جس کی تفصیل خود مصنف نے کتاب کے آغاز اور مقدمہ میں بڑی دلچسپ طریقے سے ذکر کی ہے۔ چنانچہ علامہ ابن جزی الغرناطی نے اپنی اس شاہکار تصنیف کا مقصد ومنہج اور غرض وغایت کا ذکر، مقدمہ میں ان الفاظ کے ساتھ کیا ہے:

"ہم نے اس کتاب میں امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب، اور امام شافعی، امام ابوحنیفہ اور امام احمد بن حنبل (رحمہم اللہ) کے مذاہب کے درمیان پائے جانے والے بہت سے اتفاقی اور اختلافی مسائل کی نشان دہی بھی شامل کردی ہے، تاکہ کتاب کا فائدہ مکمل ہو اور اس سے استفادہ زیادہ وسیع ہو۔

اس لیے کہ یہ چاروں ائمہ زمین کے مختلف خطوں میں مسلمانوں کے امام ومقتداء ہیں، جو اپنے پیروکاروں اور وابستگان کے اعتبار سے نمایاں مقام رکھتے ہیں، اور بعض مقامات پر ہم نے دوسرے ائمۂ مسلمین کے مذاہب (اور اقوال) کی طرف بھی اشارہ کیا ہے، جیسا کہ سفیان ثوری، حسن بصری، عبداللہ بن مبارک، اسحاق بن راہویہ، ابوثور، ابراہیم نخعی، امام داود بن علی (جو کہ مذہبِ ظاہری کے امام ہیں، اور ان کے اقوال کو ہم نے کثرت کے ساتھ نقل کیا ہے) لیث بن سعد، سعید بن مسیّب، امام اوزاعی اور ان کے علاوہ دیگر ائمہ کرام (رضی اللہ عنہم اجمعین)۔

پس بے شک ان میں سے ہر ایک اللہ کے دین میں مجتہد ہے، اور ان کے مذاہب اللہ تعالیٰ تک پہنچنے والے راستوں میں سے راستے ہیں۔ اور یہ بات جان لیجیے کہ اس کتاب کو دوسری (فقہی) کتابوں پر تین امتیازی خصوصیات حاصل ہیں، چنانچہ امام مالک کے مذہب کے توضیح اور دوسرے ائمہ مسلمین کے اختلافات کا اجتماع، اس کی پہلی خصوصیت ہے، یہ دوسری بہت سی کتابوں کے برخلاف ہے، کیونکہ بعض کتابیں صرف ایک مذہب کے مسائل بیان کرتی ہیں، جبکہ بعض ائمہ کے مابین اختلافات کو، جبکہ اس کتاب میں دونوں پہلو کو جمع کر دیا گیا ہے۔

اس کتاب کی دوسری خصوصیت، اس کی عمدہ تقسیم وترتیب اور آسان اسلوب ہے، اور اس میں کتنی ہی ایسی تقسیمات ہیں، جن میں ہر ایک شق مستقل اہمیت رکھتی ہے، اور کتنی ہی ایسی بنیادی تفصیلات ہیں جو دور کی بات کو قریب، اور مشکل و پیچیدہ کو نرم وآسان بنا دیتی ہے۔ اور تیسری خصوصیت اختصار اور وضاحت کا اجتماع ہے، حالانکہ یہ دونوں خوبیاں بہت کم ایک جگہ جمع ہوتی ہیں''.....۔

اختلاف مذہب بیان کرنے کا طریقہ

علامہ ابن جزی رحمہ اللہ نے کتاب کا آغاز ''بیان اصطلاح الکتاب'' کے عنوان سے کیا ہے، جس میں کتاب میں استعمال ہونے والی اصطلاحات کی وضاحت کی ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ قاری ہر مسئلے میں استعمال ہونے والی فقہی تعبیر کو درست طور پر سمجھے، اور یہ حصہ خصوصاً ان قارئین کے لیے اہم ہے جو فقہ المقارن کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ کتاب کے آغاز میں ہے کہ:

''جب ہم کسی مسئلے پر گفتگو کرتے ہیں، تو سب سے پہلے اسے امام مالک کے مذہب کے مطابق بیان کرتے ہیں، پھر اس کے بعد دوسرے ائمہ کے مذاہب ذکر کرتے ہیں، کبھی صراحت اور واضح

الفاظ کے ساتھ، اور کبھی اشارات اور کنایات کے ساتھ، اور جب ہم کسی مسئلہ میں اختلاف کرنے نقل سے خاموش رہتے ہیں، تو عموماً اس مسئلہ میں اختلاف نہیں ہوتا، اور جب ہم اجماع اور اتفاق کا ذکر کرتے ہیں، تو ہماری مراد پوری امت کا اجماع ہوتا ہے۔ اور جب ہم جمہور کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو اس سے مراد علماء کا اتفاق ہوتا ہے، سوائے ان چند افراد کے جن کی رائے شاذ ہو، اور جب ہم ائمۂ اربعہ (یعنی الأربعة) کا ذکر کرتے ہیں، تو ہماری مراد امام مالک، امام شافعی، امام ابوحنیفہ اور امام ابن حنبل رحمہم اللہ ہوتے ہیں۔

اس تعبیر سے اس بات کی طرف بھی اشارہ ہوتا ہے کہ بعض علماء ان ائمہ کے مخالف ہیں، اور بعض اوقات ہم اس مخالفت کی صراحت بھی کر دیتے ہیں، اور جب ہم کہتے ہیں کہ بعض علماء نے یہ کہا ہے، یا بعض علماء کا اس میں اختلاف ہے، تو اس سے ہماری مراد چاروں مذاہب سے باہر کے علماء ہوتے ہیں، اور جب ہم ائمہ ثلاثہ (یعنی الثلاثة) کا ذکر کرتے ہیں، تو اس سے ہماری مراد امام مالک، امام شافعی اور امام ابوحنیفہ ہوتے ہیں، اس تعبیر سے اس بات کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ان کے مخالف ہیں، یا یہ کہ اس مسئلے میں ان کا کوئی مذہب منقول نہیں ہے، اور جب ہم دونوں اماموں (یعنی الإمامین) کا ذکر کرتے ہیں، تو اس سے ہماری مراد امام مالک اور امام شافعی ہوتے ہیں۔ اور جب ہم تثنیہ کی ضمیر ذکر کرتے ہیں، جیسا کہ ''**عندهما**'' اور **خلافا لهما** ''تو اس سے ہماری مراد امام شافعی اور امام ابوحنیفہ ہوتے ہیں، اور جب ہم جمع کی ضمیر استعمال کرتے ہیں، جیسا کہ ''**عندهم**'' اور **خلاف لهم**'' یا اس جیسے دوسرے الفاظ، تو اسے ہماری مراد امام شافعی، امام ابوحنیفہ، اور امام احمد بن حنبل ہوتے ہیں''۔ [1]

---

[1] اور مزید فرماتے ہیں کہ: اور جب ہم ''مذہب'' کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو اس سے ہماری مراد امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب ہوتا ہے، اس تعبیر میں اس بات کی طرف اشارہ بھی ہوتا ہے کہ دوسرے ائمہ کا مذہب اس سے مختلف ہے، اور جب ہم ''مشہور'' کا لفظ استعمال کرتے ہیں، تو اس سے ہماری مراد امام مالک کے مذہب کا مشہور قول ہوتا ہے، جس سے اس بات کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ خود مالکیہ کے اندر بھی اس مسئلے میں اختلاف موجود ہے، اور جب ہم ''قیل'' کا لفظ استعمال کرتے ہیں، یا یہ کہتے ہیں کہ اس مسئلے میں اختلاف ہے، یا اس مسئلے میں دو یا زیادہ اقوال ہیں، تو اس سے ہماری مراد مذہبِ مالکی کے اندر موجود اختلاف ہوتا ہے، اور جب ہم کہتے ہیں کہ دو روایتیں یعنی ''روایتان'' کا لفظ استعمال کرتے ہیں کہ تو اس سے ہماری مراد امام مالک رحمہ اللہ سے منقول دو روایتیں ہوتی ہیں، اور عموماً ہم سب سے پہلے مشہور قول ہی ذکر کرتے ہیں'' (القوانين الفقهية، ص ٦ الى ٨، مقدمة الكتاب)

تذکرۂ اولیاء حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ (قسط:6) مولانا محمد ریحان

اولیاء کرام اور سلف صالحین کے نصیحت آموز واقعات وحالات اور ہدایات وتعلیمات کا سلسلہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مصاحف کا جلانا (پہلا حصہ)

اسلام میں قرآنِ مجید اور اس سے متعلق مقدس اوراق کی تعظیم وتکریم بنیادی دینی تقاضا ہے۔ قرآنِ مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اس لیے اس کی تحریری صورت، یعنی مصحف اور اس کے اوراق، بھی احترام کے مستحق ہیں۔ تاہم، جب مقدس اوراق اس حد تک بوسیدہ ہو جائیں کہ ان سے استفادہ ممکن نہ رہے، یا ان کے بوسیدہ ہونے کے بعد بے حرمتی کے ماحول میں پڑے رہنے کا اندیشہ ہو، تو ان کی حفاظت اور مناسب طریقے سے تلف کرنے کا مسئلہ درپیش آتا ہے۔ اس سلسلے میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے عہد میں مصاحف کو جلانے کا واقعہ بنیادی اہمیت رکھتا ہے، کیونکہ یہ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ مقدس تحریروں کو جلانا ہر صورت میں ممنوع نہیں، بلکہ قرآنِ مجید کی حفاظت اور بے حرمتی سے بچانے کے لیے مخصوص حالات میں جائز ہو سکتا ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں جب مصاحف کی تدوین مکمل ہوگئی، تو انہوں نے مدون شدہ مصاحف کے علاوہ باقی مصاحف کو جلانے کا حکم دیا تھا۔ یہ واقعہ صحیح بخاری میں مذکورہ ہے۔

چنانچہ امام بخاری نے الجامع الصحیح میں یہ الفاظ نقل کئے ہیں کہ:

وَأَرْسَلَ إِلَى كُلِّ أُفُقٍ بِمُصْحَفٍ مِمَّا نَسَخُوا، وَأَمَرَ بِمَا سِوَاهُ مِنَ الْقُرْآنِ فِي كُلِّ صَحِيفَةٍ أَوْ مُصْحَفٍ أَنْ يُحْرَقَ. (صحيح البخاری رقم ۴۹۸۷)

ترجمہ: اور ان مصاحف میں سے جو انہوں نے نقل کیے تھے، ہر علاقے کی طرف ایک ایک مصحف بھیج دیا۔ اور حکم دیا کہ ان کے علاوہ قرآن کا جو بھی مواد کسی صحیفے یا مصحف میں موجود ہو، اسے جلا دیا جائے۔ (بخاری)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے متعلق بعض روایات میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قرآن کو ایک نسخہ پر جمع فرمانے کے بعد دوسرے نسخوں کو جلانے کے بجائے شق وقطع یا ٹکڑے کرنے

کا ذکر آیا ہے۔ [1]

اور بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک نسخہ باقی رہ گیا تھا، اُن کی وفات کے بعد مدینہ منورہ کے امیر ''مروان'' نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ذریعہ سے وہ نسخہ منگوا کر اس کو دھو دیا تھا۔ [2]

اور بعض روایات میں ہے کہ اس کو پھاڑ دیا تھا، اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔ [3]

اور بعض روایات میں اس نسخہ کو جلانے کا ذکر آیا ہے۔ [4]

---

[1] حدثنا الحسن بن عثمان، قال :حدثنا الربيع بن بدر، عن سوار بن شبيب، قال " :دخلت على ابن الزبير رضى الله عنه فى نفر فسألته عن عثمان، لم شقق المصاحف، ولم حمى الحمى؟ فقال :قوموا فإنكم حرورية ، قلنا :لا والله ما نحن حرورية، قال :قام إلى أمير المؤمنين عمر رضى الله عنه رجل فيه كذب وولع، فقال :يا أمير المؤمنين إن الناس قد اختلفوا فى القراء ة، فكان عمر رضى الله عنه قد هم أن يجمع المصاحف فيجعلها على قراء ة واحدة، فطعن طعنته التى مات فيها، فلما كان فى خلافة عثمان رضى الله عنه قام ذلك الرجل فذكر له، فجمع عثمان رضى الله عنه المصاحف، ثم بعثنى إلى عائشة رضى الله عنها فجئت بالصحف التى كتب فيها رسول الله صلى الله عليه وسلم القرآن فعرضناه عليها حتى قوماها، ثم أمر بسائرها فشققت (تاريخ المدينة لابن شبة، ج۳ص۹۹۰، ۹۹۱، كتابة القرآن وجمعه)

[2] حدثنا حفص بن عمر الدورى، قال :حدثنا إسماعيل بن جعفر، عن عمارة بن غزية، عن ابن شهاب، عن خارجة بن زيد بن ثابت رضى الله عنه قال :لما ماتت حفصة أرسل مروان إلى عبد الله بن عمر رضى الله عنهما بعزيمة، فأعطاه إياها، ففسلها غسلا (تاريخ المدينة لابن شبة، ج۳ص۱۰۰۳، كتابة القرآن وجمعه)

[3] حدثنا عثمان بن عمر، قال :أنبأنا يونس، عن ابن شهاب، قال :حدثنى أنس رضى الله عنه قال " :لما كان مروان أمير المدينة أرسل إلى حفصة يسألها عن المصاحف ليمزقها وخشى أن يخالف الكتاب بعضه بعضا، فمنعتها إياه ، قال الزهرى :فحدثنى سالم قال :لما توفيت حفصة أرسل مروان إلى ابن عمر رضى الله عنهما بعزيمة ليرسلن بها، فساعة رجعوا من جنازة حفصة أرسل بها ابن عمر رضى الله عنهما، فشققها ومزقها مخافة أن يكون فى شىء من ذلك خلاف لما نسخ عثمان رضى الله عنه (تاريخ المدينة لابن شبة، ج۳ص۱۰۰۳، كتابة القرآن وجمعه)

[4] قال ابن شهاب :وأخبرنى أنس بن مالك أنه اجتمع لغزوة أذربيجان وأرمينية أهل الشام وأهل العراق، فتذاكروا القرآن فاختلفوا فيه، حتى كاد يكون بينهم قتال، قال :فركب حذيفة بن اليمان لما رأى اختلافهم فى القرآن إلى عثمان بن عفان، فقال :إن الناس قد اختلفوا فى القرآن، حتى إنى والله لأخشى أن يصيبهم ما أصاب اليهود والنصارى من الاختلاف، ففزع لذلك عثمان رضوان الله عليه فزعا شديدا، وأرسل إلى حفصة، فاستخرج الصحف التى كان أبو بكر أمر زيدا بجمعها، فنسخ منها المصاحف، فبعث بها إلى الآفاق، ثم لما كان مروان أمير المدينة أرسل إلى حفصة يسألها عن الصحف ليمزقها، وخشى أن يخالف بعض العام بعضا، فمنعته إياها.قال ابن شهاب :فحدثنى سالم بن عبد الله قال :لما توفيت حفصة أرسل إلى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

جس کی محدثین وفقہائے کرام اور اہلِ علم حضرات نے تشریح وتوضیح کی ہے، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے جلانے، مٹانے، دھونے، دفن کرنے، نیز قطع یعنی ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی تمام روایات کو درست اور مختلف صورتوں اور لوگوں پر محمول فرمایا ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مصاحف کو خواہ جلانے کا عمل ہو، یا مٹانے کا یا قطع وشق کرنے کا یا دفن کرنے کا، بہرحال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ عمل صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں کیا تھا، اور ان کے اس طرزِ عمل پر صحابۂ کرام وجلیل القدر تابعین نے تردید یا انکار نہیں کیا تھا، جس کا بعض روایات میں ذکر آیا ہے۔

چنانچہ حضرت مصعب بن سعد سے روایت ہے کہ:

أَدْرَكْتُ النَّاسَ مُتَوَافِرِيْنَ حِيْنَ حَرَّقَ عُثْمَانُ الْمَصَاحِفَ ، فَأَعْجَبَهُمْ ذٰلِكَ ، وَقَالَ :لَمْ يُنْكِرْ ذٰلِكَ مِنْهُمْ أَحَدٌ (المصاحف لابن أبی داود،رقم الحدیث ۳۳، باب اتفاق الناس مع عثمان علی جمع المصاحف) [1]

ترجمہ: میں نے سب لوگوں کو اس وقت جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مصاحف کو جلایا، اس حال میں پایا کہ ان کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ عمل اچھا محسوس ہوا، اور ان میں سے کسی نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس عمل پر نکیر نہیں کی (المصاحف لابنِ ابی داؤد)

اور حضرت مصعب بن سعد سے ہی روایت ہے کہ:

أَدْرَكْتُ النَّاسَ حِيْنَ شَقَّقَ عُثْمَانُ الْمَصَاحِفَ ، فَأَعْجَبَهُمْ ذٰلِكَ ، أَوْ قَالَ :لَمْ يَعِبْ ذٰلِكَ أَحَدٌ (فضائل القرآن للقاسم بن سلام،ص۲۸۴،باب تألیف القرآن وجمعه ومواضع حروفه وسوره،تاریخ المدینة لابن شبة، ج۳ص۱۰۰۴،کتابة القرآن وجمعه)

ترجمہ: جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مصاحف کو شق (یعنی قطع) کیا، تو میں نے لوگوں کو اس حال میں پایا کہ انہوں نے اس عمل کو اچھا سمجھا، اور کسی نے اس پر عیب نہیں لگایا (فضائل القرآن، تاریخ المدینہ)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ عبد الله بن عمر بعزيمة ليرسل بها، فساعة رجعوا من جنازة حفصة أرسل ابن عمر إلى مروان فحرقها، مخافة أن يكون في شيء من ذلك اختلاف لما نسخ عثمان رضي الله تعالى عنه(صحيح ابن حبان، رقم الحديث ۴۵۰۷)

قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط مسلم(حاشية صحيح ابن حبان)

[1] قال ابن كثير: وهذا إسناد صحيح(تفسير ابن كثير، ج۱،ص۳۰،مقدمة)

www.idaraghufran.org

پیارے بچو! مولانا محمد ریحان

سردی آئی، جیکٹ لائی

پیارے بچو! ایک دن صبح سویرے علی، احمد، بلال اور حمزہ اسکول جانے کے لیے تیار ہو رہے تھے۔ باہر ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں اور ہر طرف دھند چھائی ہوئی تھی۔ سب لڑکوں نے گرم کپڑے پہنے اور خوشی خوشی اسکول روانہ ہو گئے۔ راستے میں علی نے کہا، ''واہ! سردی کا موسم کتنا مزے دار ہے۔ اب ہم گرم گرم سوپ پئیں گے اور لحاف میں بیٹھ کر کہانیاں سنیں گے'' سب لڑکے ہنسنے لگے۔

اسکول سے واپسی پر احمد نے دیکھا کہ اس کے دادا جان صحن میں بیٹھے سردی سے کانپ رہے ہیں۔ ان کے کندھوں پر صرف ایک پتلی سی چادر تھی۔ احمد فوراً گھر کے اندر گیا اور اپنے دادا جان کے لیے گرم شال لے آیا۔ اس نے محبت سے شال ان کے کندھوں پر ڈالی اور کہا ''دادا جان! آپ مجھے ہمیشہ سردی سے بچاتے ہیں، اب میری باری ہے کہ میں آپ کا خیال رکھوں۔'' دادا جان کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آ گئے اور انہوں نے احمد کو دعائیں دیں۔

اگلے دن بلال نے دیکھا کہ اس کے ابو صبح سویرے کام پر جانے کے لیے تیار ہو رہے ہیں۔ باہر بہت زیادہ سردی تھی، لیکن ابو گھر والوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے محنت کرنے جا رہے تھے۔ بلال نے فوراً ان کے جوتے صاف کر کے دروازے کے پاس رکھے، گرم جرابیں لا کر دیں۔

یہ سب دیکھ کر علی اور حمزہ نے بھی فیصلہ کیا کہ وہ سردیوں میں اپنے بڑوں کا خاص خیال رکھیں گے۔ علی نے اپنے دادا جان کے لیے گرم چائے تیار کروائی، جبکہ حمزہ نے اپنے ابو کے لیے گرم پانی کا انتظام کیا اور گھر کے بزرگوں کو سردی سے بچانے کے لیے کھڑکیاں اور دروازے بند کر دیے۔

سردیوں کے دن گزرتے گئے، انہیں سمجھ آ گیا کہ سردی صرف گرم کپڑے پہننے کا نام نہیں، بلکہ دوسروں کی تکلیف محسوس کرنے اور ان کی مدد کرنے کا موقع بھی ہے۔ اس دن چاروں دوستوں نے عہد کیا کہ وہ ہمیشہ اپنے والدین، دادا دادی اور دوسرے بزرگوں کی عزت کریں گے، ان کی ضروریات کا خیال رکھیں گے اور ان کی خدمت کو اپنی خوش نصیبی سمجھیں گے۔

بزمِ خواتین (عورت کا تقدس اور حقوق نسواں کا فریب: قسط107) مفتی طلحہ مدثر

زیب وزینت میں خواتین کے اختیارات (حصہ:25)

معزز خواتین! نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی احادیث میں سفید بالوں کے رنگنے کا حکم دیا، جو مختلف صحابہ نے روایت کیا، جس میں سے کچھ احادیث پہلے بیان کی گئی ہیں، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا اس سلسلے میں اپنا طرزِ عمل کیا تھا، وہ سفید بالوں کو اپنی سفیدی پر برقرار رہنے دیتے تھے، یا اس کو تبدیل کرنے کا معمول تھا، اس سلسلے میں وضاحت ملاحظہ فرمائیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل

سب سے پہلے یہ سمجھ لیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اور ڈاڑھی مبارک میں سفید بالوں کی تعداد اتنی زیادہ نہیں تھی، کہ اس کو چھپانے کے لیے مسلسل کسی چیز کے استعمال کی ضرورت محسوس ہوتی، پورے سر اور ڈاڑھی مبارک میں چند مقامات پر گنتی کے کچھ بال سفید تھے۔

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خادم خاص حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

لَمْ يَشِنْهُ الشَّيْبُ قَالَ فَقِيلَ يَا أَبَا حَمْزَةَ وَشَيْنٌ هُوَ؟ قَالَ: يُقَالُ كُلُّكُمْ يَكْرَهُهُ. (مسند احمد، رقم الحدیث 12828)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑھاپے کا عیب نہیں آیا تھا، کسی نے پوچھا کہ اے ابوحمزہ! کیا بڑھاپا عیب ہے؟ انہوں نے فرمایا تم میں سے ہر شخص اسے ناپسند سمجھتا ہے (مسند احمد)

اسی طرح ایک روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ مروی ہیں:

أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ شَيْبِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: مَا شَانَهُ اللهُ بِبَيْضَاءَ (مسلم 105-2341 باب شیبہ صلی اللہ علیہ وسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑھاپے کے بارے میں سوال کیا گیا، تو حضرت انس نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سفیدی کا عیب پیدا نہیں فرمایا تھا (مسلم)

بعض صحابہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سفید بالوں کے مقام کا بھی ذکر کیا ہے، چنانچہ حضرت قتادہ سے مروی ہے کہ

"سَأَلْتُ أَنَسًا هَلْ خَضَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ : لَا ،إِنَّمَا كَانَ شَيْءٌ فِي صُدْغَيْهِ" (بخاری،باب صفة النبی 3549)

ترجمہ: میں نے حضرت انس سے سوال کیا کہ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بالوں کو رنگ کیا ہے، تو انہوں نے کہا نہیں! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کنپٹی میں کچھ سفید بال تھے (بخاری)

اور عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

"كَانَ فِي عَنْفَقَتِهِ شَعَرَاتٌ بِيضٌ" (بخاری ،باب صفة النبی 3546)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ریش بچہ میں کچھ سفید بال تھے (بخاری)

ریش بچہ سے مراد نچلے ہونٹ کے نیچے اور ٹھوڑی کے درمیان کے چھوٹے بال ہیں، ایک حدیث میں ایک ساتھ تمام مقامات کا ذکر حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس طرح مروی ہے کہ

" إنما كان شمط عند العنفقة يسيرا، وفي الرأس يسيرا، وفي الصدغين يسيرا" (صحيح ابن حبان ، باب من صفته صلى الله عليه وسلم واخباره 6296)

ترجمہ: بے شک (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کے ریش بچہ میں معمولی سفید بال تھے ، کچھ سر میں اور کچھ کنپٹیوں میں تھے (ابن حبان)

بعض صحابہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سفید بالوں کی تعداد کا بھی ذکر کیا ہے، کسی نے گیارہ، کسی نے چودہ، کسی نے سترہ، کسی نے اٹھارہ اور کسی نے بیس کی تعداد بتائی ہے، ایک ضعیف روایت میں تیس کا بھی ذکر ہے، لیکن زیادہ معروف بیس تک ہی ہے، اتنے کم تعداد کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سفید بال نمایاں نہیں ہوتے تھے، چنانچہ حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كَانَ إِذَا دَهَنَ رَأْسَهُ لَمْ يُرَ مِنْهُ شَيْءٌ، وَإِذَا لَمْ يَدْهُنْ رُئِيَ مِنْهُ (مسلم 2344-108)

ترجمہ: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تیل لگاتے تھے، تو سفید بال نظر نہیں آتے تھے، اور

جب تیل نہیں استعمال کرتے تھے،تب وہ سفید بال نمایاں ہوتے تھے(مسلم)

اورایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ شَمِطَ مُقَدَّمُ رَأْسِهِ وَلِحْيَتِهِ، فَإِذَا ادَّهَنَ وَمَشَطَ لَمْ يَتَبَيَّنْ، وَإِذَا شَعِثَ رَأْسُهُ تَبَيَّنَ . (مسند احمد،رقم الحدیث 20998)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کے اگلے حصے اور ڈاڑھی کے کچھ بال سفید ہوگئے تھے، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تیل لگاتے اور کنگھی کرتے تو یہ ظاہر نہیں ہوتے تھے،اور جب سر پر گرد پڑتی تو یہ نمایاں ہوجاتے تھے(مسند احمد)

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اور ڈاڑھی میں زیادہ تعداد میں سفید بال تھے ہی نہیں، بلکہ گنتی کے چند بال تھے،اس کے باوجود بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سفید بالوں پر خضاب کرنے اور نہ کرنے دونوں طرح کی روایات صحابہ کرام سے مروی ہیں،حضرت انس رضی اللہ عنہ نے صاف طور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خضاب لگانے کا انکار کیا ہے، جبکہ دیگر کئی صحابہ مثلاً حضرت ابو رمثہ اور عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہما نے اس کا ذکر کیا ہے عثمان بن موہب کی ایک روایت میں بھی اس کا ذکر ہے،جس نے جس حالت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اس نے بیان کردیا،حضرت انس رضی اللہ عنہ کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم باقاعدہ خضاب نہیں فرماتے تھے ، بلکہ بہت زیادہ خوشبو لگانے کے اثر کی وجہ سے بعض حضرات کو ایسا محسوس ہوتا تھا، کہ بال رنگے ہوئے ہیں، چنانچہ مستدرک حاکم میں عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اور حضرت انس کا سوال وجواب مذکور ہے،عمر بن عبدالعزیز نے عرض کیا تھا، میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں میں سے ایک بال دیکھا ہے، جو رنگا ہوا تھا،تو حضرت انس نے ان سے فرمایا کہ یہ رنگ اس خوشبو کا اثر ہے،جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بالوں کو معطر فرماتے تھے۔(حاکم،ذکر أخبار سید المرسلین، 4201)

بہت سے علماء نے اسی بات کو ترجیح دی ہے، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو باقاعدہ خضاب کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی، البتہ خوشبو کے اثر سے بعض اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک رنگے ہوئے محسوس ہوتے تھے۔ (جاری ہے.....)

آپ کے دینی مسائل کا حل ادارہ

سب چیزوں سے پہلے نورِ نبوی کی پیدائش کی روایت

استفتاء

کیا فرماتے ہیں، علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی کتاب ''نشرُ الطیب'' میں مندرجہ ذیل روایت پڑھی:

پہلی روایت: عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ:

''میں نے عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، مجھ کو خبر دیجئے کہ سب اشیاء سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کون سی چیز پیدا فرمائی؟ آپ نے فرمایا اے جابر! اللہ تعالیٰ نے سب اشیاء سے پہلے تیرے نبی کا نور، اپنے نور سے (نہ بایں معنیٰ کہ نورِ الٰہی اس کا مادہ تھا، بلکہ اپنے نور کے فیض سے) پیدا کیا، پھر وہ نور قدرت الٰہیہ سے جہاں اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا، سیر کرتا رہا، اور اس وقت نہ لوح تھی، نہ قلم تھا، اور نہ بہشت تھی، اور نہ دوزخ تھی، اور نہ فرشتہ تھا، اور نہ آسمان تھا، اور نہ زمین تھی، اور نہ سورج تھا، اور نہ چاند تھا، اور نہ جن تھا، اور نہ انسان تھا، پھر جب اللہ تعالیٰ نے اور مخلوق کو پیدا کرنا چاہا، تو اس نور کے چار حصے کیے، اور ایک حصہ سے قلم پیدا کیا، اور دوسرے سے لوح، اور تیسرے سے عرش''

آگے طویل حدیث ہے (نشر الطیب، ص ۱۱ پہلی فصل، نورِ محمدی کے بیان میں، ناشر: مشتاق بک کارنر، لاہور، طبع اول: نومبر2003ء)

پھر میں نے مصنف عبد الرزاق میں اس روایت کو تلاش کیا، تاکہ اس کی سند کا حال معلوم ہو سکے، لیکن مجھے اس کتاب میں کہیں یہ روایت نہیں ملی۔

اس لئے آپ سے گذارش ہے کہ اس روایت کی سند کی حالت اور اس کا مآخذ اور صحیح مطلب معلوم ہو، تو مجھے مطلع کر دیا جائے؟ جزاکم اللہ تعالیٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جواب

آپ نے جس روایت کے متعلق معلوم کیا ہے، اس کا کوئی وجود کتبِ حدیث میں باسند طریقہ پر دستیاب نہیں ہوسکا۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ (المتوفیٰ:1362ھ) نے مذکورہ عبارت میں پہلی روایت کے ذیل میں حاشیہ کے اندر خود سے ہی یہ تحریر فرمایا ہے کہ:

"روایات هذاالفصل کلها من المواهب"

"یعنی اس فصل کی تمام روایات "المو اهب" سے لی گئی ہیں"

(حاشیۃ نشر الطیب، ص ۱۱ پہلی فصل، نورِ محمدی کے بیان میں، ناشر: مشتاق بک کارنر، لاہور، طبع اول: نومبر2003ء)

معلوم ہوا کہ حضرت تھانوی نے اس فصل کی نورِ محمدی سے متعلق تمام روایات "المو اهب" سے لی ہیں، اور اس کتاب کا پورا نام "المو اهب اللدنية بالمنح المحمدية" ہے، جو دراصل "احمد بن محمد قسطلانی" (المتوفیٰ:923ھ) کی عربی کتاب ہے۔

اس کتاب میں واقعی یہ روایت موجود ہے، اور اس میں عبدالرزاق کا حوالہ ہی دیا گیا ہے۔ [1]

[1] وروى عبد الرزاق بسنده عن جابر بن عبد الله الأنصاری قال :قلت يا رسول الله، بأبی أنت وأمی، أخبرنی عن أول شیء خلقه الله تعالى قبل الأشياء .قال :يا جابر، إن الله تعالى قد خلق قبل الأشياء نور نبيک من نوره، فجعل ذلک النور يدور بالقدرة حيث شاء الله تعالى، ولم يكن فی ذلک الوقت لوح ولا قلم، ولا جنة ولا نار، ولا ملک ولا سماء ، ولا أرض ولا شمس ولا قمر، ولا جنی ولا أنسی، فلما أراد الله تعالى أن يخلق الخلق قسم ذلک النور أربعة أجزاء ، فخلق من الجزء الأول القلم، ومن الثانی اللوح، ومن الثالث العرش .ثم قسم الجزء الرابع أربعة أجزاء ، فخلق من الجزء الأول حملة العرش، ومن الثانی الكرسی، ومن الثالث باقی الملائكة، ثم قسم الجزء الرابع أربعة أجزاء ، فخلق من الأول السماوات، ومن الثانی الأرضين ومن الثالث الجنة والنار، ثم قسم الرابع أربعة أجزاء ، فخلق من الأول نور أبصار المؤمنين، ومن الثانی نور قلوبهم -وهی المعرفة بالله -ومن الثالث نور أنسهم، وهو التوحيد لا إله إلا الله محمد رسول الله(المواهب اللدنية بالمنح المحمدية، ج ۱ ،ص ۴۸،المقصد الاول،تشريف الله تعالى له صلى الله عليه وسلم)

www.idaraghufran.org

پس ''نشر الطیب'' میں مذکورہ کتاب کے حوالہ سے جو روایت لکھی گئی ہے، اس حوالہ کی حد تک بات صحیح ہے۔

اس کتاب کی شرح '' محمد بن عبد الباقی زرقانی مالکی (المتوفیٰ:1122ھ) نے لکھی ہے، جو'' شرح الزرقانی'' کے نام سے موسوم ہے، زرقانی نے بھی عبدالرزاق کے علاوہ اس کا کوئی حوالہ ذکر نہیں فرمایا۔

محقق شیخ علی حشیش اس روایت کے بارے میں فرماتے ہیں:

وبالرجوع إلى مصنف عبد الرزاق تبين أن هذا الخبر الباطل لا يوجد في مصنف عبد الرزاق (سلسلة الأحاديث الواهية و صحح حديثک، ص۱۵۷، قصة خلق العالم من نور النبى صلى الله عليه وسلم ،الحلقة السادسة والأربعون)

ترجمہ: اور مصنف عبدالرزاق کی طرف رجوع کرنے سے ظاہر ہوا کہ یہ حدیث باطل ہے، یہ مصنف عبدالرزاق میں موجود نہیں (سلسلۃ الاحادیث الواھیۃ)

اور محمد احمد عبدالقادر شنقیطی نے اس حدیث پر ماہِ شوال:1390ہجری میں ایک مستقل رسالہ تحریر کیا ہے، جو'' **تنبيه الحذاق على بطلان ما شاع بين الأنام من حديث النور المنسوب لمصنف عبد الرزاق** '' کے نام سے شائع ہوا ہے، جس میں عبدالرزاق کی طرف منسوب اس روایت کے باطل ہونے کو دلائل کے ساتھ ثابت کیا ہے، جیسا کہ اس رسالہ کے نام سے ظاہر ہے،، اور اس رسالہ کی سعودی عرب کے سابق مفتی اعظم عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز نے تصدیق وتقریظ تحریر کی ہے، جس میں مفتی صاحب موصوف نے تحریر کیا:

وكل من تأمل الأدلة الشرعية من الكتاب والسنة علم يقيناً أن هذا الخبر من جملة الأباطيل التى لا أساس لها من الصحة وقد أغنى الله نبيه صلى الله عليه وسلم عن مثل هذا (تنبيه الحذاق على بطلان ما شاع بين الأنام من حديث النور المنسوب لمصنف عبد الرزاق، ص ٦)

ترجمہ: اور ہر وہ شخص جو کتابُ اللہ اور سنتِ رسول اللہ کے دلائل میں غور وفکر کرے گا، وہ یقیناً جان لے گا کہ یہ حدیث ان باطل چیزوں میں سے ہے، جن کی صحت پر اساس قائم نہیں کی جاسکتی، اور اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان جیسی چیزوں سے مستغنی فرمادیا ہے (تنبیہ الحذاق)

مذکورہ رسالہ میں محمد احمد عبدالقادر شنقیطی تحریر کرتے ہیں:

إن مصنف عبد الرزاق قد وصل إلينا أخيراً مطبوعاً في الهند وليس فيه ما نسب إليه القادحة، وأيضاً نص أئمة الحديث ممن تقدَّمنا وممن عاصرنا على وضعه وضعفه وعدم وجود سند له (تنبيه الحذاق على بطلان ما شاع بين الأنام من حديث النور المنسوب لمصنف عبد الرزاق،ص ۱۰)

ترجمہ: اور بے شک مصنف عبدالرزاق، ہمارے پاس ہندوستان سے طبع شدہ پہنچی ہے،لیکن اس میں بھی یہ قادح حدیث موجود نہیں، جو اس کتاب کی طرف منسوب کی گئی، نیز وہ ائمہ حدیث جن کا پہلے ذکر گذرا،اور موجودہ زمانہ کے حضرات نے اس کے گھڑی ہوئی،اور کمزور،اور اس کی سند کے وجود نہ ہونے کا حکم لگایا ہے(تنبیہ الحذاق)

پھر اس کے بعد موصوف نے اس حدیث کے مضمون کے قرآن ومعتبر احادیث کے خلاف ہونے پر تفصیلی کلام کیا ہے۔

اور حسام الدین بن موسیٰ محمد بن عفانہ اس سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں:

حديث جابر هذا المنسوب إلى عبد الرزاق موضوع لا أصل له وقد عزاه غير واحد إلى عبد الرزاق خطأ فهو غير موجود في مصنفه ولا جامعه ولا تفسيره.....وقد حكم الشيخ عبد الله بن الصديق في رسالة "مرشد الحائر لبيان وضع حديث جابر "على هذا الحديث بالوضع وقد سبقه إلى ذلك أخوه أحمد بن الصديق فليتنبه إلى ذلك) شرح الزرقاني على المواهب وذكر الشيخ الألباني أنه باطل .السلسلة الصحيحة وبين بطلانه الشيخ أحمد الشنقيطي في رسالته بعنوان تنبه الحذاق على بطلان ما شاع بين الأنام من حديث النور المنسوب لمصنف عبد الرزاق .فهذه الأحاديث التي احتج بها هؤلاء مكذوبة لا تصلح لأن يثبت بها أمر من أمور العقيدة (فتاوى حسام عفانة،جزء،۱۸،ص ۱۰۱"أول خلق الله")

ترجمہ: جابر رضی اللہ عنہ کی جس حدیث کو عبدالرزاق کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، یہ موضوع ومن گھڑت ہے،جس کی کوئی اصل نہیں ہے،اور بعض حضرات نے اس کی نسبت غلطی سے عبدالرزاق کی طرف کردی ہے،لیکن یہ عبدالرزاق کی کسی تصنیف میں

موجود نہیں ہے، نہ مصنف عبدالرزاق میں ہے، نہ ان کی تفسیر میں ہے.....اور شیخ عبد اللہ بن صدیق نے ایک رسالہ ''مرشد الحائر لبیان وضع حدیث جابر'' میں اس حدیث کے متعلق گھڑی ہوئی ہونے کا حکم لگایا ہے، اور اس سے پہلے ان کے بھائی احمد بن صدیق نے بھی المواھب کی شرح الزرقانی میں یہی حکم لگایا ہے، اور شیخ البانی نے بھی سلسلہ صحیحہ میں اس کو باطل کہا ہے، اور اس کے باطل ہونے کی شیخ احمد شنقیطی نے بھی اپنے رسالہ ''تنبیہ الحذاق علی بطلان ما شاع بین الأنام من حدیث النور المنسوب لمصنف عبد الرزاق'' میں توضیح کی ہے۔

پس یہ جھوٹی احادیث میں سے ہے، جن سے یہ لوگ دلیل پکڑتے ہیں، یہ جھوٹی ہیں، جن سے عقیدہ سے متعلق کوئی حکم ثابت نہیں کیا جا سکتا (فتاویٰ حسام عفانہ)

حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی کتاب ''نشر الطیب'' میں اور بھی کئی احادیث وروایات غیر مستند ہیں، جن میں سے بعض کے متعلق اس کتاب کے شائع، اور تحقیق ہونے کے بعد حضرت تھانوی نے خود بھی وضاحت فرمائی ہے۔

چنانچہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے امداد الفتاویٰ میں ایک سوال وجواب درج ذیل ہے:

سوال:..... ایک واعظ صاحب یہاں تشریف لائے تھے، انہوں نے حسبِ ذیل روایات بیان کیں، جن کے متعلق یہاں اکثر اصحاب، اختلاف کرتے ہیں۔

حضور براہِ کرم، برائے اطمینانِ اہلِ اسلام، ان روایات کے متعلق تحریر فرماویں کہ وہ صحیح ہیں، یا غلط، اور اگر تکلیف نہ ہو، تو کسی کتاب کا حوالہ بھی تحریر فرماویں۔

روایات

نمبر(1): انبیاء علیہم السلام کا بول وبراز پاک ہوتا ہے اور خصوصاً ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات بالکل پاک تھے، کیونکہ آپ سراپا نور تھے۔

نمبر(2): انبیاء علیہم السلام کے بول وبراز کو زمین فوراً ہضم کر جاتی ہے۔

جواب:..... خواہ مخواہ، انہوں نے ایسی باتیں بیان کر کے مسلمانوں کو پریشان کیا،

جو نہ عقائدِ ضروریہ میں سے ہیں، نہ احکام میں سے۔
بیان کرنے کی چیز عقائد واحکام ہیں، نہ کہ ایسی روایات، جن پر دوسری اقوام بھی ہنسیں۔
ایسی روایات بعض غیر معتبر کتابوں میں آئی ہیں، جن کی نہ تصدیق واجب ہے، کیونکہ سند صحیح نہیں، اور نہ تکذیب واجب ہے، اس لئے کہ فی نفسہٖ ممکن ہیں۔
اس لئے ایسے اُمور میں مشغول ہی نہ ہونا چاہئے، نہ تصدیقاً، نہ تکذیباً۔
اور ایسے واعظوں کا وعظ ہی کیوں سنا جاتا ہے، اور اُن سے مطالبہ سند کا کیوں نہ کیا گیا؟
اسی جلسہ میں حقیقت کھل جاتی۔

۸ ربیع الثانی ۱۳۵۰ھ (النور رمضان ۱۳۵۰ھ صفحہ ۱۰)

اس کے بعد اس کے متعلق دوسرا خط آیا، جو ذیل میں منقول ہے:

السوال: ..... جناب ماسٹر محمد شریف خان صاحب نے حال میں ایک استفتاء، خدمتِ عالی میں پیش کیا تھا، جو ہمرشتہ عریضہ ھٰذا ہے، جواب سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ روایات مذکورہ ضعیف ہیں، اور ان کی کوئی سند نہیں، حسبِ اتفاق ایک صاحب کو (آپ کی تالیف) نشرُ الطیب میں انہیں روایات کو دیکھنے کا اتفاق پیش آ گیا، انہوں نے نشرُ الطیب کے صفحات 135 و 136 مجھ کو دِکھلائے۔
اب وہ فتویٰ اور یہ تحریر متضاد معلوم ہوتی ہیں۔ نشرُ الطیب میں روایت بقول حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کی گئی ہے، جواب جلد عنایت فرمایئے، تاکہ تسکین ہو۔

۲۲ اگست، ۱۹۳۱ عیسوی

الجواب: ..... ضعیف بلا سند نہیں ہوتی، بلکہ بسندِ ضعیف ہوتی ہے، جو عقائد میں حجت نہیں، فضائل میں کھپ جاتی ہے۔
میں نے تحریرِ سابق میں یہی لکھا ہے کہ سند صحیح نہیں۔
تو دونوں تحریروں میں تضاد نہیں، کیونکہ ضعیف کی نفی نہیں کی، اور اس ضُعفِ سند ہی سے ایسی کتابوں کو غیر معتبر بتلایا تھا، کیونکہ معتبر ''صحیح'' کو کہتے ہیں، ''ضعیف'' کو نہیں کہتے۔

باقی یہ کہ پھر کتاب میں کیوں لکھا؟

سو، کتاب تو فضائل میں ہے، عقائد واحکام میں نہیں۔

اگر شاذ ونادر ایسی بھی کوئی روایت لکھی جائے، کھپت ہوجاتی ہے، بخلاف وعظ کے کہ وہ عقائد واحکام کی تعلیم کے لئے ہوتا ہے، اس میں ایسے مضامین نہیں کھپتے۔

دوسرے وعظ سننے والے اکثر کم فہم ہوتے ہیں، اور کتاب پڑھنے والے اکثر فہیم۔

۸ ربیع الثانی ۱۳۵۰ھ

اضافہ:..... بعد تحریرِ جواب ھٰذا ''شرح الشفا لملا علی القاری'' میں یہ بحث نظر سے گزری۔ انہوں نے فصل، نظافتِ جسمِ نبوی میں اس پر بہت مبسوط لکھا ہے۔

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ بعض روایات کا تو ثبوت مقدوح ہے، اور بعض کی دلالت، اور بعض روایات میں شارحین کا یہ قول مذکور ہے۔

'' شربته وانا لا اعلم'' یا ''لا اشعر''

اور ایک روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کے متعلق نہی فرمانا مذکور ہے، اور وہ یہ ہے:

روی ابن عبدالبر ان سالم بن ابی الحجاج حجمه صلی الله علیه وسلم ثم از درای ابتلع فقال اما علمت ان الدم کله حرام وفی روایة لا تعد فان الدم کله حرام.

پس مسئلہ بالکل منقح ہوگیا کہ طہارت کا دعویٰ بلا دلیل ہے۔

۸ ربیع الثانی ۱۳۵۰ھ (النور ۱۳۵۰ھ، ص ۷)

(امداد الفتاوی، ج ۱، ص ۱۳۵ تا ۱۳۷، کتاب الطہارۃ، نجاست کے احکام اور پاکی کا طریقہ، مطبوعہ: مکتبہ دار العلوم، کراچی، طبع جدید: شعبان ۱۴۳۱ھ، جولائی 2010ء)

ملاحظہ فرمائیے کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''نشر الطیب'' میں پہلے طہارت سے متعلق مذکورہ احادیث وروایات کو تحریر فرمادیا تھا، لیکن تحقیق کے بعد اس کی وضاحت فرمادی، پس اسی طرح مذکورہ حدیثِ جابر کے متعلق بھی سمجھ لینا چاہیے۔

اور جو بعض احادیث میں یہ مضمون آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت نبی قرار دے دیا گیا

تھا، جب حضرت آدم روح، اور جسم کے درمیان تھے۔ [1]

تو ان کا مطلب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نبی اور خاتم النبیین ہونا، اس وقت ہی طے شدہ اور لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا تھا، جس کی بعض احادیث میں تصریح بھی آئی ہے۔

چنانچہ حضرت میسرہ فجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قُلْتُ :يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، مَتٰى كُتِبْتَ نَبِيًّا؟ قَالَ " :وآدَمُ بَيْنَ الرُّوحِ وَالْجَسَدِ (مسند احمد، رقم الحديث ٢٠٥٩٦، حَدِيثُ مَيْسَرَةَ الْفَجْرِ) [2]

ترجمہ: میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ کا نبی ہونا کب لکھا گیا تھا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس وقت آدم روح اور جسم کے درمیان تھے (مسند احمد)

اور حضرت عرباض بن ساریہ سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ " :إِنِّي عِنْدَ اللهِ فِي أُمِّ الْكِتَابِ لَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ، وَإِنَّ آدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِي طِينَتِهِ (مسند احمد، رقم الحديث ١٧١٦٣) [3]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں، امُّ الکتاب میں، یقیناً خاتم النبیین ہوں، جبکہ آدم اپنی گندھی ہوئی مٹی کی شکل میں موجود تھے (جس میں ابھی تک روح نہیں ڈالی گئی تھی) (مسند احمد)

لیکن جو لوگوں میں اس وقت آدم کے پانی اور مٹی کے درمیان ہونے کے الفاظ مشہور ہیں، یہ کسی معتبر حدیث میں موجود نہیں، بلکہ معتبر احادیث میں مٹی، یا روح اور جسم کے درمیان

---

[1] عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَقِيقٍ، عَنْ رَجُلٍ قَالَ :قُلْتُ :يَا رَسُولَ اللهِ، مَتَى جُعِلْتَ نَبِيًّا؟ قَالَ " :وَآدَمُ بَيْنَ الرُّوحِ وَالْجَسَدِ (مسند احمد، رقم الحديث ١٦٦٢٣، حَدِيثُ رَجُلٍ)

قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح (حاشية مسند احمد)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ :قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ مَتَى وَجَبَتْ لَكَ النُّبُوَّةُ؟ قَالَ :وَآدَمُ بَيْنَ الرُّوحِ وَالْجَسَدِ :هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هَذَا الوَجْهِ (سنن الترمذی، رقم الحديث ٣٦٠٩، بَابٌ فِي فَضْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)

[2] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح (حاشية مسند احمد)

[3] قال شعيب الارنؤوط: صحيح لغيره (حاشية مسند احمد)

www.idaraghufran.org

ہونے کے الفاظ ہیں۔

اور مذکورہ معتبر احادیث سے صرف اتنی بات ثابت ہوتی ہے کہ آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی پیدائش کے وقت لوحِ محفوظ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نبی اور خاتم النبیین ہونا لکھا جا چکا تھا۔

اس سے نہ تو اس وقت ہی آپ کو باقاعدہ نبوت کا دیا جانا، ثابت ہوتا، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت تو آپ کی ولادت کے بھی چالیس سال بعد عطاء کی گئی، اور نہ ہی یہ ثابت ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام مخلوقات سے پہلے پیدا کیا گیا، اور کسی چیز کے دوسرے سے اول، یا بعد میں ہونے سے اس کا افضل، یا غیر افضل ہونے کی دلیل پکڑنا درست نہیں ہوا کرتا، ورنہ فرشتوں، بلکہ ابلیس کی پیدائش، انسانوں سے پہلے ہوئی، لیکن انسانوں کی فضیلت زیادہ ہے۔

اسی طرح مذکورہ احادیث سے نورِ نبوت کے اللہ کے نور سے پیدا ہونے کا بھی ثبوت نہیں ہوتا، ان سے جو کچھ ثابت ہے، وہ پہلے بتلایا جا چکا، جس حدیث، یا احادیث سے جو کچھ اور جتنی بات ثابت ہو، اس سے اتنی ہی بات کو مراد لینا چاہیے۔

چنانچہ امام طحاوی رحمہ اللہ اس حدیث کی تشریح کے ذیل میں فرماتے ہیں:

وأما قوله صلى الله عليه وسلم: " كنت نبيا وآدم بين الروح والجسد "، فإنه، وإن كان حينئذ نبيا، فقد كان الله تعالى كتبه في اللوح المحفوظ نبيا، ثم أعاد اكتتابه إياه في الوقت المذكور في هذا الحديث، كما قال عز وجل:"ولقد كتبنا في الزبور من بعد الذكر أن الأرض يرثها عبادي الصالحون" وكان عز وجل قد كتب ذلك في اللوح المحفوظ، ثم أعاد اكتتابه في الزبور المحزبة بعد ذلك، فمثل ذلك اكتتابه عز وجل النبي عليه السلام، وآدم بين الروح والجسد، بعد اكتتابه إياه قبل ذلك في اللوح المحفوظ أنه كذلك (شرح مشكل الآثار، ج۱۵، ص ۲۳۴، باب بيان مشكل ما روى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم من جوابه الذى سأله: متى كنت نبيا؟ بقوله له: " وآدم بين الروح والجسد)

ترجمہ: اور جہاں تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا تعلق ہے کہ ''میں نبی تھا، اور آدم روح اور جسم کے درمیان تھے'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ اس وقت نبی تھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نبی ہونا لوحِ محفوظ میں لکھ دیا تھا، پھر

اس نبی ہونے کی کتابت کا اس حدیث میں مذکور وقت میں اعادہ فرمایا، جیسا کہ اللہ عزوجل نے سورہ انبیاء میں فرمایا کہ اور یقیناً ہم نے لکھ دیا تھا، زبور میں ذکر کے بعد کہ بے شک زمین کے وارث ہوں گے، میرے نیک بندے" دراں حالیکہ اللہ عزوجل نے اس کو لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا تھا، پھر اس کے بعد اس کا زبور کے نسخہ میں بھی اعادہ فرمایا، پس اسی طرح اللہ عزوجل کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی آدم کے روح اور جسم کے درمیان ہونے کے وقت لکھنے کا معاملہ ہے، جبکہ اس سے پہلے لوحِ محفوظ میں بھی آپ کو اسی طرح لکھ دیا گیا تھا (شرح مشکل الآثار)

اور علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں:

يغلط كثير من الناس في قول النبي صلى الله عليه وسلم في الحديث الصحيح الذي رواه ميسرة قال:"قلت: يا رسول الله متى كنت نبيا؟ وفي رواية – متى كتبت نبيا؟ قال: وآدم بين الروح والجسد"فيظنون أن ذاته ونبوته وجدت حينئذ.

وهذا جهل فإن الله إنما نبأه على رأس أربعين من عمره وقد قال له: "بما أوحينا إليك هذا القرآن وإن كنت من قبله لمن الغافلين"وقال: "ووجدك ضالا فهدى"وفي الصحيحين"أن الملك قال له: – حين جائه – اقرأ فقال: لست بقارء – ثلاث مرات –"

ومن قال: إن النبي صلى الله عليه وسلم كان نبيا قبل أن يوحى إليه فهو كافر باتفاق المسلمين وإنما المعنى أن الله كتب نبوته فأظهرها وأعلنها بعد خلق جسد آدم وقبل نفخ الروح فيه كما أخبر أنه يكتب رزق المولود وأجله وعمله وشقاوته وسعادته بعد خلق جسده وقبل نفخ الروح فيه كما في حديث العرباض بن سارية الذي رواه أحمد وغيره عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال:"إني عبد الله وخاتم النبيين"وفي رواية:"إني عبد الله لمكتوب خاتم النبيين وإن آدم لمجندل في طينته وسأنبئكم بأول ذلك دعوة أبي إبراهيم وبشرى عيسى ورؤيا أمي رأت حين ولدتني أنه خرج منها نور أضائت له قصور الشام"كثير من الجهال المصنفين وغيرهم يرويه"كنت نبيا وآدم بين الماء والطين"،"وآدم لا ماء ولا طين"ويجعلون

ذلک وجوده بعینه (مجموع الفتاویٰ، ج۸، ص ۲۸۲ و ۲۸۳، کتاب الفقه، الجزء التاسع: البیع، فصل فی المحرمات فی الشریعة ترجع الی الظلم)

ترجمہ: بہت سے لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے بارے میں غلطی کرتے ہیں، جو صحیح حدیث میں آیا ہے، جس کو میسرہ نے روایت کیا ہے کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ کب نبی تھے؟ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ کا نبی ہونا کب لکھ دیا گیا تھا؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس وقت آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔

پس بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور آپ کی نبوت اس وقت بھی موجود تھی، حالانکہ یہ جہالت ہے، کیونکہ اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس سال کی عمر کے شروع میں نبوت عطاء فرمائی، اور اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ ''بوجہ اس کے وحی کی ہم نے آپ کی طرف اس قرآن کی، اگرچہ تھے آپ اس سے پہلے (اس قرآن کی وحی سے) غافلین میں سے'' اور اللہ نے فرمایا کہ ''پایا اس (اللہ) نے آپ کو ضال، پھر ہدایت عطاء فرمائی اس نے'' اور صحیح بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ جس وقت آپ کے پاس فرشتہ آیا، تو اس نے کہا کہ آپ قرائت کیجئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ میں قاری نہیں ہوں، تین مرتبہ یہی فرمایا۔

اور جو شخص یہ کہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی طرف وحی آنے سے پہلے نبی تھے، تو وہ (مذکورہ آیات واحادیث کے انکار کی وجہ سے) کافر ہے، جس پر مسلمانوں کا اتفاق ہے، اور بس اس حدیث کے معنیٰ تو اتنے ہیں کہ اللہ نے آپ کی نبوت کو لکھ دیا تھا، اور آدم علیہ السلام کے جسم کو پیدا فرمانے کے بعد اور اس میں روح پھونکنے سے پہلے اس کا اظہار واعلان فرما دیا تھا، جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی کہ پیدا ہونے والے کا رزق اور اس کی عمر، اور اس کا عمل اور اس کی بدبختی اور سعادت کو اس کے جسم کے پیدا کئے جانے کے بعد اور اس میں روح ڈالنے سے پہلے لکھ دیا جاتا ہے، جس طرح عرباض بن ساریہ کی اس حدیث میں ہے، جس کو امام احمد وغیرہ نے نبی صلی اللہ

علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں عبداللہ اور خاتم النبیین تھا، اور ایک روایت میں ہے کہ میں عبداللہ ہوں، جس کا خاتم النبیین ہونا اس وقت لکھا ہوا تھا، جب آدم اپنی گندھی ہوئی مٹی میں (روح ڈالے بغیر) تھے، اور میں تمہیں عنقریب اس کے شروع کی خبر دوں گا، میں ابراہیم کی دعاء، اور عیسیٰ کی خوشخبری ہوں، اور اپنی ماں کا خواب ہوں، جو میری ولادت کے وقت دیکھا کہ اس سے روشنی خارج ہوئی، جس سے شام کے محلات روشن ہوگئے۔

اور بہت سے مصنفین وغیر مصنفین جہلاء اس کو اس طرح روایت کرتے ہیں کہ ''میں نبی تھا، جب آدم پانی اور مٹی کے درمیان تھے (حالانکہ وہ ابتداء سے ہی گندھی ہوئی مٹی تھے) اور آدم نہ تو محض پانی تھے، نہ محض مٹی تھے، اور اس طرح یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عین وجود کو اس وقت قرار دیتے ہیں (جبکہ اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عین اور ذات کا وجود نہیں تھا، بلکہ لوحِ محفوظ میں طے شدہ تھا) (مجموع الفتاویٰ)

خلاصہ یہ کہ سوال میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کردہ مذکورہ حدیث سند کے اعتبار سے ثابت نہیں، اور اس پر عقیدہ رکھنا درست نہیں۔ فقط

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

محمد رضوان خان۔09/ جمادی الاولیٰ/1448ھ، 21/ اکتوبر/2026ء، بروز بدھ

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

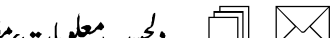
دینی مدارس خدمات، مسائل اور مستقبل

اسلامی تعلیم، دینی مدارس اور امتِ مسلمہ کو درپیش فکری و تعلیمی مسائل کے حوالے سے مولانا عبدالقیوم حقانی مدظلہٗ کے مختلف ادوار میں تحریر کردہ منتخب مضامین کا مجموعہ

شیخ الحدیث مولانا عبدالقیوم حقانی

ناشر: القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ، خالق آباد، نوشہرہ۔0346-4010613

کیا آپ جانتے ہیں؟ مفتی محمد رضوان



دلچسپ معلومات، مفید تجزیات اور شرعی احکامات پر مشتمل سلسلہ

''رسومِ افتاء واصولِ افتاء'' پر کلام (قسط:21)

صریح، صحیح ومرفوع حدیث نہ ہونے کا تصور

پھر فاضل موصوف نے لکھا:

''دوسری صورت بھی یہاں متحقق نہیں، کیونکہ مذکورہ معاملے کے جواز پر کوئی ایسی صریح، صحیح اور مرفوع حدیث موجود نہیں ہے، جس کی وجہ سے اپنے مذہب کو چھوڑا جا سکے، بلکہ امام احمد رحمہ اللہ کے ہاں اس کے جواز کی ایک دلیل حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا اثر ہے، اور دوسری دلیل قیاس ہے، جس سے امام احمد رحمہ اللہ نے استدلال کیا ہے''۔ (کمیشن اور بروکری کے جدید مسائل، ص۱۵۳، مطبوعہ: مکتبہ معارف السنۃ، کمیٹی چوک، راولپنڈی، طبع اول ۲۰۲۴ء)

تبصرہ:.....اگر فاضل موصوف اپنے قلم مبارک سے یہ تحریر فرمادیں کہ جتنے فتوے اب تک حنفیہ نے اپنے مذہب کے خلاف جاری کئے اور ان پر عمل جاری ہے، ان میں اگر کوئی ضرورت شدیدہ نہیں تھی، تو صریح، صحیح اور مرفوع حدیث ضرور موجود تھی۔

اور یہ بھی فرمادیں کہ اگر کسی مسئلہ کے خلاف کوئی صریح، صحیح اور مرفوع حدیث سرے سے موجود ہی نہ ہو، جیسا کہ مبحوث فیہ مسئلہ کے خلاف کوئی بھی صریح، صحیح اور مرفوع حدیث موجود نہیں ہے، اور اس کے جواز پر صحابی کا اثر موجود ہو، تو حنفیہ کے قواعد اس اثر پر عمل کرنے کے مقتضیٰ کے خلاف ہیں، یا موافق؟

اور ساتھ ہی یہ بھی واضح فرمادیں کہ اگر کوئی اجتہاد کی صلاحیت کا حامل حدیث کے بغیر کسی دوسری دلیل، یعنی قیاس وغیرہ کی وجہ سے کسی مجتہدِ اہلِ حق کے مذہب کی طرف رجحان رکھتا ہو، تو اس کو اس رجحان پر عمل پیرا ہونے کا کیا حکم ہے۔

اور جو عامی ہو، اجتہاد کی صلاحیت سے محروم ہو، اس کے متعلق سلف محققین کے نزدیک راجح کیا ہے؟ امید ہے کہ ہم نے ماسبق میں جو سلف محققین و مجتہدین کے حوالہ جات نقل کئے ہیں، ان کی روشنی میں ان باتوں کا جواب تلاش کرنا ممکن، بلکہ سہل ہوگا۔

دلیلِ معقول کے غیر معقول ہونے کا تصور

پھر فاضل موصوف نے لکھا:

''نیز یہ کہنا کہ امام احمد رحمہ اللہ کی دلیل چونکہ معقول ہے، لہٰذا اس پر عمل کرنے کی گنجائش ہے، اس کے بارے عرض ہے کہ معقولیت تو ائمہ اربعہ کے دلائل میں ہوتی ہی ہے، ایسا کب ہوسکتا ہے کہ مجتہد کی دلیل ہو، اور اس میں معقولیت نہ ہو، صرف دلیل کا معقول ہونا ترجیح کے لیے کافی نہیں، اور ایک عالم کی سمجھ کے مطابق اگر ایک دلیل معقول ہے، تو وہ دوسرے علماء پر حجت نہیں، بالخصوص جب معقول سمجھنے والا مجتہد بھی نہ ہو، جب تک اس مسئلہ میں جانبین کے دلائل کا کما حقہ موازنہ کر کے امام احمد رحمہ اللہ کے دلائل کی ترجیح کو ثابت نہ کیا جائے، ورنہ ہر امام کی دلیل میں معقولیت تو ہوتی ہی ہے، اسی وجہ سے تو مسئلہ مجتہد فیہ ہوتا ہے'' (کمیشن اور بروکری کے جدید مسائل، ص۱۵۳و۱۵۴، مطبوعہ: مکتبہ معارف السنۃ، کمیٹی چوک، راولپنڈی، طبع اول ۲۰۲۴ء)

تبصرہ:.....ہم نے کب دعویٰ کیا کہ ہماری پیش کردہ دلیل دوسرے علماء پر حجت ہے، اور ہم نے کب حنفیہ کو فتویٰ جاری کرنے سے منع کیا، بلکہ ہم نے تو خود اس مسئلہ میں حنفیہ و غیر حنفیہ کے مذاہب و دلائل کو نقل کیا، اور اپنے سے استفتاء کرنے والے مستفتی کو اس سے آگاہ کر دیا، جس سے موصوف کو کیوں پریشانی لاحق ہوئی کہ اس کو اپنی کتاب میں شامل کر کے تردید کے درپے ہوئے، کیا صرف موصوف کو ہی یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے رجحان کو دوسرے پر مسلط کرے۔

اور موصوف کو کس نے حق دیا کہ وہ کسی کے مجتہد ہونے، نہ ہونے کے معیار کی ناپ تول کریں، جبکہ وہ خود علامہ شامی کے بیان کے مطابق اس اہلیت سے محروم ہیں؟

ہم نے تو صرف اتنا تحریر کیا کہ:

ہمارے نزدیک تمام تر علمی تعصّبات سے بالاتر ہوکر حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ اور دیگر کئی جلیل القدر تابعین وتبعِ تابعین اور امام احمد رحمہ اللہ کے قول اور دلیل کے معقول ہونے کے پیشِ نظر اس طرح کے معاملہ کو درست قرار دینے کی گنجائش پائی جاتی ہے، گو دوسرے اہلِ علم حضرات کو اس سے اختلاف کیوں نہ ہو، کیونکہ جس طرح وہ اپنے نزدیک راجح مؤقف کو اختیار کرنے کے مکلّف ہیں، اسی طرح ہم بھی دلائل کے پیشِ نظر اپنے نزدیک راجح مؤقف کو اختیار کرنے کے مکلّف ہیں۔

اگر موصوف کو ہمارے آخری درجہ میں اتنی گنجائش بھی اپنے مستفتی کو دینے پر موصوف کو اعتراض ہے، تو موصوف اپنے درجہ ومنصب کو واضح کریں کہ ان کو اس چیز کا استحقاق کس نے دیا؟

اور ہمارے نزدیک اثرِ ابنِ عباس اور جلیل القدر تابعین کے آثار، اس معاملہ میں منقول ہونے، اور بعض مجتہدین کا مذہب ہونے کی وجہ سے، اس کا جواز امتیازی معقولیت کے لئے کافی ہے۔

اور اگر پھر بھی فاضل موصوف کو اس منقول کے امتیازی معقول ہونے پر شبہ ہو، تو ہم اب ذرا وضاحت کے ساتھ کسی پردہ داری کا لحاظ کئے بغیر مبحوث فیہ مسئلہ سے متعلق اثرِ ابنِ عباس بمع جلیل القدر تابعین، ائمہ مجتہدین کے اقوال ومذاہب کی تائیدات میں فاضل موصوف کی جامد حنفی روش، یا ذہنیت کے مطابق صرف حنفیہ کے ہی چند حوالہ جات بطور نذرانہ پیش کرتے ہیں۔

امام قدوری حنفی ایک مقام پر فرماتے ہیں:

قالوا :القياس مقدم على قول الصحابي؛ لأن القياس دليل من صاحب الشريعة، فلا يجوز تركه لقول غيره.قلنا :هذا غلط؛ لأن الصحابي يحكم توقيفا (أو قياسا فإن قالوا :توقيفا) :فهو أولى من القياس.

وإن قالوا قياسا :فقياسه دليل من صاحب الشريعة، فقد تساويا وانفرد بمشاهدة التنزيل، والعلم بمقاصد الرسول -صلى الله عليه وسلم -وأيده التوفيق فقياسه أولى(التجريد للقدوری، ج۷، ص ۳۴۰۲، کتاب الغصب)

ترجمہ: دیگر حضرات نے (اس پر اعتراض کے طور پر) کہا کہ قیاس کو صحابی کے قول پر مقدم رکھا جائے گا، کیونکہ قیاس، صاحبِ شریعت کی طرف سے دلیل ہے، جس کا کسی دوسرے (یعنی صحابی کے قول) کی وجہ سے ترک کرنا جائز نہیں؟

ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ یہ کہنا غلط ہے، کیونکہ صحابی، توقیف (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حکم پر مطلع ہونے) کے طور پر ایسا حکم لگاتا ہے (یا قیاس کی وجہ سے لگاتا ہے، اگر توقیف کے طور پر حکم لگائے) تو یہ قیاس پر مقدم ہے۔

اور اگر وہ کہیں کہ یہ صحابی کا قیاس ہے، تو صحابی کا قیاس (تمہارے خود کے اقرار سے) صاحبِ شریعت کی طرف سے دلیل ہے، پس (قیاس کی صورت میں) دونوں کا درجہ برابر ہوگیا، اور صحابی کو وحی کے نزول کے مشاہدہ، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقاصد کے علم میں دوسروں سے انفراد و امتیاز حاصل ہے، اور اس کی تائید، توقیف سے بھی ہوتی ہے، پس صحابی کا قیاس، دوسروں کے قیاس سے اولیٰ ہے (تجرید)

نیز امام قدوری حنفی دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ:

من أصلنا أن قول الصحابي إذا لم يعرف له مخالف يقدم على القياس (التجريد للقدوری، ج ۱۱، ص ۵۸۹۳، كتاب الحدود)

ترجمہ: ہمارے اصولوں میں سے یہ بھی ہے کہ صحابی کے قول کی اگر (کسی دوسرے صحابی سے) مخالفت معروف نہ ہو، تو اس کو قیاس پر مقدم رکھا جائے گا (تجرید)

اور علامہ کاسانی حنفی فرماتے ہیں:

والصحيح قولنا لما روى عن ابن عباس -رضي الله عنهما -أنه قال ": يصوم عن كل نصف صاع يوما "ومثل هذا لا يعرف بالاجتهاد، فتعين السماع من رسول الله -صلى الله عليه وسلم (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ج ۲، ص ۲۰۱، كتاب الحج، فصل بيان حكم ما يحرم على المحرم)

ترجمہ: اور صحیح قول ہمارا ہے، کیونکہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ہر نصف صاع کے عوض میں ایک دن کا روزہ رکھے گا، اور اس کے مثل (حکم محض) اجتہاد سے نہیں پہچانا جاسکتا، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع متعین ہے (بدائع)

اگر ہمارے مبحوث فیہ مسئلہ کو جہالت وغرر کی وجہ سے خلافِ قیاس کہا جائے، تو اس میں بھی سماع متعین ہونا چاہیے۔

اورفقہ حنفی کی درسِ نظامی کی کتاب ''کنزُالدقائق'' کی شرح ''تبیینُ الحقائق'' میں ہے کہ:

ولـه قول ابن عباس من قدم نسكا على نسك فعليه الدم (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، ج۲، ص۶۲، كتاب الحج، باب الجنايات)

ترجمہ: اوران (یعنی امام ابوحنیفہ) کی دلیل ابنِ عباس کا قول ہے کہ جس نے کسی نسک کودوسرے نسک پرمقدم کیا، تواس پردم واجب ہے (تبیین)

سابق مفتی دیارِمصرعلامہ **محـمـد بخيت المطيعي حنفي** ''المتوفیٰ:1354ہجری'' (سابق رئيـس: الـمـجلس العلمي بمحكمة مصر الكبرىٰ الشرعية ، وعضو المحكمة العليا بها سابقا) نے اپنے ایک رسالہ میں فرمایا:

واختـلـفـوا في تقليد قول الصحابي، فقال علماء الحنفية في ظاهر الاصول إن أقـاويـل جـميع الصحابة تقبل ويعمل بها متى نقلت إلينا بطريق صحيح، وإن لم نعرف لماذا قالوها، حتى روى عن أبي حنيفة أنه قيل له:

"إذا قلتَ قولاً وكتابُ اللّٰه يخالف قولك!

قال: أُترك قولي لكتاب اللّٰه تعالىٰ.

فقيل له: إذا كان خبر الرسول صلى اللّٰه عليه وسلم يخالف قولك!

قال: أترك قولي بخبر الرسول صلى اللّٰه عليه وسلم .

فقيل لهٗ: إذا كان قول الصحابي يخالف قولك!.

قال: أترك قولي بقول الصحابي.

قيل له: إذا كان قول التابعي يخالف قولك!

قـال: إذا كان التابعي رجلاً فأنا رجلٌ. اهـ(رسـالة في بيان الكتب التي يعول عليها وبيـان طبـقـات عـلـمـاء الـمـذهب الحنفي والرد على ابن كمال باشا، ص۳۷، الفصل الأول: الإجتهـاد والتـقـلـيـد، تـقـلـيـد الـصـحـابـي جـائـز وان لـم نعرف دليلهٗ ،الناشر: دار القادري، سورية ، دمشق، الطبعةُ الاولىٰ: ۱۴۲۹ھ ،2008م)

ترجمہ: اورصحابی کے قول کی تقلید کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے، علمائے حنفیہ کا ظاہرِ اصول میں قول یہ ہے کہ تمام صحابہ کے اقوال ہمارے نزدیک قابلِ قبول اور قابلِ عمل ہوں گے، بشرطیکہ ہمارے پاس صحیح سند کے ساتھ منتقل ہوئے ہوں، اگرچہ ہمیں ان کے قول کی وجہ معلوم نہ ہو، یہاں تک کہ امام ابوحنیفہ سے مروی ہے کہ ان سے سوال

کیا گیا کہ اگر آپ نے کوئی قول کیا، اور کتابُ اللہ اس کی مخالفت کرتی ہے، تو امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ تم میرے قول کو اللہ تعالیٰ کی کتاب کی وجہ سے چھوڑ دو۔

پھر سوال کیا گیا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث آپ کے قول کے خلاف ہو؟ تو امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ تم میرے قول کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی وجہ سے چھوڑ دو۔ پھر سوال کیا گیا کہ جب آپ کا قول صحابی کے قول کے خلاف ہو؟ تو امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ تم میرے قول کو صحابی کے قول کی وجہ سے چھوڑ دو۔

پھر سوال کیا گیا کہ جب آپ کا قول تابعی کے قول کے خلاف ہو، تو امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ تابعی بھی آدمی ہیں، اور میں بھی آدمی ہوں (رسالہ فی بیان کتب الخ)

شیخ موصوف نے مذکورہ رسالہ میں ہی مزید فرمایا:

وأما ما نقلهُ بعضهم عن كتاب "تحرير" الأصول (لابن الهمام) من أنه انعقد الإجماع على عدم العمل بمذهبٍ مخالف للمذاهب الأربعة فهو نقل غير صحيح، فإن المذكور في "التحرير" هو مانقلهُ عن كتاب "البرهان" لأبي المعالي الجويني: أن إجماع المحققين على منعِ العوامِ عن تقليد أعيان الصحابة، بل يلزمُ أن يقلدوا من بعدهم الذين سَبروا ووضعوا ودوّنوا.

ثم قال: وعلى هذا ما ذكره بعض المتاخرين ــ يعني ابن الصلاح ــ من منعِ تقليدِ غير الأربعة لانضباط مذاهبهم، وتقييد مسائلهم، وتخصيصِ عمومها، ولم يُدرَ مثلُها في غيرهم لانقراض أتباعهم. اهـ.

قال ابن أمير حاج في شرحه عليه: "وحاصل هذا أنه امتنع تقليدُ غير هؤلاء الأربعة لتعذرِ نقل حقيقةِ مذهبهم، وعدمِ ثبوته حق الثبوت، لا لأنهُ لا يقلد، ومن ثم قال الشيخ عز الدين بن عبدالسلام: لا خلاف بين القولين في الحقيقة، بل إن تحقق ثبوت مذهبٍ عن واحدٍ منهم جاز تقليدهُ وفاقاً، وإلا فلا.

وقال العزّ أيضاً: إذا صح عن بعض الصحابة مذهبٌ في حكمٍ من الأحكام لم تجُز مخالفته إلا بدليلٍ أوضح من دليله" اهـ.

فانظر إلى هذا الناقل عن "التحرير" كيف افترىٰ عليه، ونقل عنه ما ليس فيه، وادّعىٰ انعقاد الإجماع، وحمله على الإجماع الشرعي، الذي هو أحد الأدلة الأربعة، ثم نسبه إلى ابن الهمام، وكيف يعقل حصول الإجماع على

ما ذكر، مع أن الإجماع لا يكون إلا من المجتهدين، والواجب على كل منهم أن يعمل بما أدىٰ إليه اجتهاده، ولو خالف مذاهب الأئمة الأربعة

(رسالة فی بیان الکتب التی یعول علیها وبیان طبقات علماء المذهب الحنفی والرد علی ابن کمال باشا، ص ۴۶، ۴۷، الفصل الأول : الإجتهاد والتقليد، جواز العمل بمذهب مخالف للمذاهب الاربعة ،الناشر: دارالقادری، سورية ، دمشق،الطبعةُ الاولیٰ: ۱۴۲۹ھ، 2008م)

ترجمہ: اور جو بعض حضرات نے ابنِ ہمام کی تحریرُ الاصول کتاب کے حوالہ سے یہ بات فرمائی ہے کہ مذاہبِ اربعہ کے خلاف کسی دوسرے مذہب پر عمل نہ ہونے پر اجماع منعقد ہو چکا ہے، تو یہ نقل صحیح نہیں، کیونکہ ''التحریر'' میں جو بات مذکور ہے، وہ وہی ہے، جس کو ابو المعالی جوینی کی ''کتابُ البرهان'' سے نقل کیا گیا ہے کہ محققین کا اجماع اس بات پر منعقد ہو چکا ہے کہ عوام کو اعیانِ صحابہ کی تقلید سے منع کیا جائے گا، بلکہ ان پر لازم کیا جائے گا کہ وہ ان کے بعد کے ان حضرات کی تقلید کریں، جن کے مذاہب کو انہوں نے نکھار دیا، اور وضع و مدون کر دیا ہے۔

پھر فرمایا کہ اسی پر وہ قول محمول ہے، جو بعض متاخرین، یعنی ابنِ صلاح کا ہے، یعنی مذاہبِ اربعہ کے علاوہ کی تقلید سے اس لئے منع کیا جائے گا کہ مذاہبِ اربعہ کے مذاہب منضبط ہو چکے ہیں، اور ان کے مسائل مقید ہو چکے ہیں، اور ان کے عموم کی تخصیص ہو چکی ہے، اور ان کے علاوہ میں اس جیسی کیفیت نہیں معلوم ہوتی، کیونکہ ان کے متبعین ختم ہو چکے۔

ابنِ امیر حاج نے اپنی ''التحریر'' کی شرح میں فرمایا کہ ''اس کا حاصل یہ ہوا کہ ائمہ اربعہ کے علاوہ کی تقلید سے اس لئے منع کیا جائے گا کہ ان کے مذہب کی حقیقت کی نقل متعذر ہو چکی ہے، اور ان کا کماحقہٗ ثبوت نہیں ہے، اس وجہ سے نہیں کہ ان کی تقلید ہی نہ کی جا سکتی ہو، اور اسی وجہ سے شیخ عزالدین بن عبدالسلام نے فرمایا کہ درحقیقت دونوں قولوں میں کوئی اختلاف نہیں، بلکہ اگر ان میں سے کسی کے بھی مذہب کے ثبوت کا تحقق ہو جائے، تو اس کی بالاتفاق تقلید جائز ہے، ورنہ جائز نہیں۔

اور عز بن عبدالسلام نے ہی فرمایا کہ جب احکام میں سے کسی حکم کے متعلق بعض صحابہ کا مذہب صحیح طور پر ثابت ہو، تو اس کی مخالفت اس سے زیادہ واضح دلیل کی وجہ سے ہی جائز ہے، اھ۔

پس آپ اس ناقل کی طرف نظر ڈال لیجئے، جس نے ''التحریر'' پر کیسے جھوٹ باندھا، اور اس کے حوالہ سے ایسی بات نقل کی جو اس میں موجود ہی نہیں، اوپر سے اجماع منعقد ہونے کا دعویٰ بھی کر دیا، اور اس کو اجماعِ شرعی پر محمول کر لیا، جو کہ ادلہ اربعہ میں سے ایک دلیل ہے، پھر اس کی نسبت ابنِ ہمام کی طرف کر دی، اور مذکورہ بات پر اجماع منعقد ہونے کو عقل کیسے قبول کر سکتی ہے، کیونکہ اجماع تو مجتہدین کی طرف سے ہی ہوا کرتا ہے، اور مجتہدین میں سے ہر ایک پر اسی کے مطابق عمل واجب ہے، جس کی طرف اس کا اجتہاد پہنچا دے، اگرچہ اس کا اجتہاد ائمہ اربعہ کے مذاہب کے خلاف ہو (رسالة في بيان كتب الخ) (جاری ہے.....)

ضربتِ حق چار یار کا تحقیقی جائزہ

(کامل 2 جلد)

''ضربتِ حق چار یار'' نامی کتاب کا تفصیلی تحقیقی جائزہ

قرآن وسنت، جمہور سلف اور اصولِ تکفیر، اور لزوم کفر والتزام کفر کی روشنی میں

شیعہ واثنا عشریہ سے متعلق جمہور اہلُ السنۃ کے موقف پر اعتراضات ومغالطات،

الزامات واتہامات، اور غیر منصفانہ تجزیات وتبصرہ جات کا تحقیقی جائزہ

مذکورہ طرزِ عمل پر مبنی تجزیہ وتبصرہ کے اہلُ السنة والجماعة سے مختلف

اور اہلُ الفرقة کے مشابہ ومترادف ہونے پر کلام

شیعہ وروافض، بالخصوص اثنا عشریہ کی علی الاطلاق تکفیر کی تردید پر علمی وتحقیقی بحث

مؤلف: مفتی محمد رضوان خان

ناشر: کتب خانہ ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

051-5507270--03335665831

www.idaraghufran.org

عبرت کدہ

مولانا طارق محمود

﴿اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَعِبۡرَۃً لِّاُولِی الۡاَبۡصَارِ﴾

عبرت وبصیرت آمیز حیران کن کائناتی تاریخی اور شخصی حقائق

حضرت داؤد علیہ السلام (قسط1)

حضرت شمویل علیہ السلام کے واقعہ میں، حضرت داؤد علیہ السلام کا مختصر ذکر آیا تھا کہ کس طرح حضرت داؤد نے ''جالوت'' کو قتل کر ڈالا، اور اس واقعہ نے بنی اسرائیل کے دلوں پر، حضرت داؤد کی محبت وعظمت قائم کر دی تھی، اور ان کی شخصیت ممتاز اور نمایاں ہو چکی تھی، چنانچہ یہی داؤد آگے چل کر اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ رسول اور پیغمبر بنے، اور بنی اسرائیل کی رشد وہدایت کے لیے رسول اور ان کے اجتماعی نظم وضبط کے لیے ''خلیفہ'' مقرر ہوئے۔ [1]

حضرت داؤد کا نام ونسب

قرآنِ مجید اور صحیح احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام بنی اسرائیل کے نبی تھے، البتہ آپ کی تاریخِ پیدائش، جائے پیدائش، مکمل نسب اور عمر کے بارے میں ایسی متعین تفصیلات صحیح نصوص میں موجود نہیں، جن کی بنیاد پر قطعی تاریخی بیان کیا جا سکے۔

البتہ علامہ ابنِ کثیر نے اپنی تاریخ میں حضرت داؤد کا نام ونسب اس طرح ذکر فرمایا ہے:

''داؤد بن ایشا بن عوید بن عابر بن سلمون بن نحشون بن عوینا ذب بن ارم بن حصرون بن فارض بن یہوذا بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم خلیل علیہم الصلاۃ والسلام'' [2]

---

[1] تقدم أنه لما قتل جالوت وكان قتله له فيما ذكره ابن عساكر عند قصر أم حكيم بقرب مرج الصفر فأحبته بنو إسرائيل ومالوا إليه وإلى ملكه عليهم(البداية والنهاية، ج۲ ص ۱۲ ،قصة داود وما كان في أيامه [وذكر] فضائله وشمائله ودلائل نبوته واعلامه)

[2] هو داود بن ايشا بن عويد بن عابر بن سلمون بن نحشون بن عوياذب بن إرم بن حصرون بن فارض بن يهوذا بن يعقوب بن إسحاق بن إبراهيم الخليل عبد الله ونبيه وخليفته في أرض بيت المقدس (البداية والنهاية، ج۲ ص ۱۲ ،قصة داود وما كان في أيامه [وذكر] فضائله وشمائله ودلائل نبوته واعلامه)

www.idaraghufran.org

محمد بن اسحاق نے وہب بن منبہ کے واسطے سے حضرت داؤد کا حلیہ مبارک اس طرح نقل کیا ہے کہ ''آپ پستہ قد، نیلگوں آنکھوں والے تھے، آپ کے جسم پر بال بہت کم تھے، چہرے اور بشرے سے طہارتِ قلب اور نفاستِ طبع جھلکتی تھی'' [1]

قرآن مجید میں حضرت داؤد کا ذکر

قرآن مجید میں حضرت داؤد کا ذکر سورہ بقرہ، سورہ نساء، سورہ مائدہ، سورہ انعام، سورہ بنی اسرائیل، سورہ انبیاء، سورہ نمل اور سورہ ص میں آیا ہے، ان سورتوں میں سولہ جگہ آپ کا نام مذکور ہے، اور بعض سورتوں میں مختصر اور بعض میں تفصیلی طور پر آپ کے حالات و واقعات کا ذکر، اور ان کی رشد وہدایت کا بیان ہے (کذا فی قصص القرآن للسید ہاروی، ج۲ص۴۷۱، وص۴۷۲)

نبوت ورسالت

حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ بنی اسرائیل کی بڑھتی ہوئی محبت کا نتیجہ یہ نکلا کہ طالوت کی موجودگی میں ہی، یا ان کی موت کے بعد ہی عنانِ حکومت، حضرت داؤد کے ہاتھ میں آ گئی، اور اس عرصہ میں ان پر اللہ تعالیٰ کا ایک اور زبردست انعام یہ ہوا کہ وہ منصبِ نبوت رسالت سے بھی سرفراز کر دیئے گئے۔ [2]

حضرت داؤد سے پہلے، بنی اسرائیل میں یہ سلسلہ قائم تھا کہ حکومت ایک ''سبط'' (خاندان) سے وابستہ تھی، اور نبوت ورسالت دوسرے ''سبط'' یہودا کے گھرانے سے وابستہ تھی، حضرت داؤد علیہ

[1] قال محمد بن أسحق عن بعض أهل العلم عن وهب بن منبه: كان داود عليه السلام قصيرا أزرق العينين قليل الشعر طاهر القلب ونقيه(البداية والنهاية، ج۲ ص ۱۲ ،قصة داود وما كان فى أيامه [وذكر] فضائله وشمائله ودلائل نبوته واعلامه)

[2] قال وهب بن منبه فمال الناس إلى داود حتى لم يكن لطالوت ذكر وخلعوا طالوت وولوا عليهم داود .وقيل إن ذلك [كان] عن أمر شمويل حتى قال بعضهم إنه ولاه قبل الوقعة قال ابن جرير والذى عليه الجمهور: أنه إنما ولى ذلك بعد قتل جالوت والله أعلم(البداية والنهاية، ج۲ ص ۱۲ ،وص ۱۳ ،قصة داود وما كان فى أيامه [وذكر] فضائله وشمائله ودلائل نبوته واعلامه)

www.idaraghufran.org

السلام، پہلے شخص ہیں، جن کے اندر اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں نعمتیں یکجا جمع کر دی تھیں، وہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر اور رسول بھی تھے، اور صاحبِ تاج وتخت بھی۔

چنانچہ قرآن مجید نے حضرت داؤد کے اس شرف کا اس طرح ذکر فرمایا ہے کہ:

وَاٰتَاهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَاءُ (سورة البقرة، رقم الآية ٢٥١)

یعنی ''اور عطاء کی، اس کو اللہ نے بادشاہی اور حکمت، اور تعلیم دی اس کو ان چیزوں کی، جو اللہ نے چاہیں''

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد کو حکومت بھی عطاء کی، اور حکمت یعنی نبوت بھی، اور اپنی مرضی سے جو چاہا سکھایا۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

يَادَاوٗدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيْفَةً فِي الْأَرْضِ (سورة صٓ، رقم الآية ٢٦)

یعنی ''اے داؤد بے شک ہم نے آپ کو زمین میں اپنا خلیفہ بنایا''

اور ایک اور مقام پر ارشاد ہے کہ:

وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا (سورة الانبياء، رقم الآية ٧٩)

یعنی ''اور ہم نے ہر ایک (داؤد وسلیمان) کو حکومت بخشی، اور علم عطاء کیا''

انبیاء ورسل میں حضرت آدم کے علاوہ صرف حضرت داؤد ہی وہ پیغمبر ہیں، جن کو قرآن مجید میں نے ''خلیفہ'' کے لقب سے پکارا ہے (کذا فی قصص القرآن للسیو ہاروی، ج۲ص۴۷۳) [1]

(جاری ہے.....)

[1] فكان من أمر طالوت ما كان وصار الملك إلى داود عليه السلام، وجمع الله له بين الملك والنبوة بين خير الدنيا والآخرة، وكان الملك يكون في سبط والنبوة في آخر فاجتمع في داود هذا وهذا كما قال تعالى: (وقتل داود جالوت وآتاه الله الملك والحكمة وعلمه مما يشاء، ولولا دفع الله الناس بعضهم ببعض لفسدت الأرض ولكن الله ذو فضل على العالمين) أي لولا إقامة الملوك حكاما على الناس لاكل قوى الناس ضعيفهم (البداية والنهاية، ج٢ ص١٢، قصة داود وما كان في أيامه [وذكر] فضائله وشمائله ودلائل نبوته واعلامه)

طب و صحت

حکیم مفتی محمد ناصر

صحت مند زندگی کے لیے غذا کے اہم اصول

صحت اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے، صحت کی حفاظت کے لیے صاف ہوا، مناسب غذا اور پانی، جسمانی حرکت اور آرام، ذہنی سکون، مناسب نیند اور بیداری، نیز جسم سے فاضل مادوں کا بروقت اخراج اور ضروری مادوں کا مناسب طور پر برقرار رہنا بنیادی اہمیت رکھتے ہیں؛ ان چھ اہم چیزوں میں سے ایک غذا بھی ہے، کیونکہ غذا سے ہی بدن کو قوت ملتی ہے، اور بدن کی نشوونما ہوتی ہے اور جسمانی استعمال سے پیدا ہونے والی کمی پوری ہوتی ہے، اس لیے ضروری ہے کہ غذا کے انتخاب، مقدار اور کھانے کے اوقات میں اعتدال اختیار کیا جائے۔

غذا اور جسمانی مزاج: ہر انسان کی جسمانی ساخت، طبیعت، قوتِ ہاضمہ اور غذائی ضروریات ایک جیسی نہیں ہوتیں، بعض غذائیں ایک شخص کو آسانی سے ہضم ہو جاتی ہیں، جبکہ دوسرے کو انہی غذاؤں سے تکلیف ہو سکتی ہے؛ مزاج کے اصول کے مطابق صحت مند شخص کے لیے ایسی غذا مناسب ہے جو اس کے فطری مزاج اور جسمانی ضروریات کے مطابق ہو، لیکن اگر مزاج میں تبدیلی پیدا ہو کر تکلیف ہو جائے تو ایسی غذا اختیار کی جاتی ہے جو اس کیفیت کو کم کر کے اعتدال بحال کرنے میں معاون ہو، مثلاً فطری گرم مزاج ہونا بذاتِ خود بیماری نہیں، لیکن غیر طبعی گرمی پیدا ہو جائے تو اسے طبی زبان میں سوءِ مزاجِ حار (Hot Dyscrasia) کہا جاتا ہے، ایسی حالت میں گرمی کے اثرات کم کرنے والی مثلاً کدو (لوکی) اور کھیرے جیسی غذا کا استعمال مناسب ہے۔

غذا کی گرم یا سرد تاثیر سے مراد صرف اس کا ظاہری درجۂ حرارت نہیں، بلکہ وہ اثر بھی ہے جو استعمال کے بعد بدن میں پیدا ہوتا ہے، اس لئے غذا کے انتخاب میں اس کی غذائیت، مقدار اور فرد کی صحت کو بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

صحت کے لیے مناسب غذائیں: صحت کی حفاظت کے لیے صاف، عمدہ اور آسانی سے ہضم ہونے والی غذاؤں کو ترجیح دینی چاہیے، گندم کی روٹی، مناسب مقدار میں گوشت، دالیں، سبزیاں

اور پھل متوازن غذا کا حصہ ہیں۔

انجیر، انگور اور تازہ کھجور مفید پھلوں اور میووں میں شامل ہیں، انجیر کے استعمال کا ایک بہتر طریقہ رات کے وقت ایک یا دو عدد اچھی قسم کی انجیر کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں کر کے، اور اس انجیر کے ٹکڑوں کو دو چمچ عمدہ قسم کے پینے والے زیتون کے تیل (Extra Virgin Olive Oil) میں بھگو کر اور صبح کو وہ انجیر کھا لینا عمدہ غذا اور سورۂ والتین کے اشارتاً بیان سے ماخوذ ہے، جس میں انسان کے احسنِ تقویم کا بھی ذکر ہے؛ اسی طرح جَو کا پانی اور گوشت کا شوربہ ایسی غذاؤں کی مثالیں ہیں جو غذائیت فراہم کرنے کے ساتھ بعض مخصوص حالات میں مفید بھی ہو سکتی ہیں۔ [1]

غذا خواہ کتنی ہی عمدہ ہو، ضرورت سے زیادہ استعمال کرنے پر نقصان دہ ہو سکتی ہے، اس لیے ہر غذا کی مقدار عمر، جسمانی سرگرمی اور صحت کے مطابق ہونی چاہیے۔

حقیقی بھوک اور کھانے کا مناسب وقت: غذا حقیقی بھوک کے وقت کھانی چاہیے، حقیقی بھوک وہ ہے جس میں سابقہ غذا کے بعد مناسب وقت گزر چکا ہو، معدہ ہلکا محسوس ہو اور بدن کو غذا کی ضرورت ہو، اس کے برعکس محض عادت، ذائقے یا کسی پسندیدہ چیز کو دیکھ کر کھانے کی خواہش پیدا ہونا ضروری نہیں کہ حقیقی بھوک ہو؛ جس طرح بھوک کے بغیر بار بار کھانا مناسب نہیں، اسی طرح شدید بھوک کے باوجود بلاوجہ طویل وقت تک غذا روکنا بھی نقصان دہ ہو سکتا ہے۔

قدیم طبی اصول کے مطابق جب بدن کو ضرورت کے وقت غذا نہیں ملتی تو معدہ اور جگر دوسرے اعضاء کی رطوبتوں کو اپنی ضرورت کے لیے استعمال کرنے لگتے ہیں، جس سے اعضاء کمزور ہو سکتے ہیں؛ جدید علم کے مطابق غذا کی طویل کمی میں بدن پہلے محفوظ توانائی، پھر چربی اور ضرورت پڑنے پر جسمانی پروٹین استعمال کرتا ہے، اس طرح غذائی کمی کا تسلسل جسمانی کمزوری پیدا کر سکتا ہے، لہٰذا مناسب وقت پر ضرورت کے مطابق غذا کھانا صحت کی حفاظت کا اہم اصول ہے۔

بلاوجہ پرہیز بھی بیماری کا سبب ہے: جس طرح ضرورت سے زیادہ کھانا نقصان دہ ہے، اسی

﴿بقیہ صفحہ 59 پر ملاحظہ فرمائیں﴾

[1] ماءُ اللحم: گوشت سے تیار کردہ غذائیت بخش شوربہ یا عرق، جسے بعض مخصوص طریقوں سے تیار کر کے بطور دوائی غذا (Medicinal Food) بھی استعمال کیا جاتا ہے، عام گوشت کی یخنی کو بھی وسیع مفہوم میں ماءُ اللحم کہا جا سکتا ہے، تاہم اس کی بعض مخصوص طبی تیاریاں عام شوربے سے مختلف ہوتی ہیں۔

www.idaraghufran.org

اخبارِ ادارہ مفتی محمد ناصر



ادارہ کے شب و روز



☐.....8 / ربیع الآخر، بروز ہفتہ پیر، جناب امیرُ اللہ صاحب (فوجی کالونی، پیرودھائی) کی دعوت پر مفتی صاحب مدیر کا چنداراکینِ ادارہ کے ساتھ اُن کے یہاں جانا ہوا۔

☐.....13 / ربیع الآخر، بروز ہفتہ ادارہ کے شعبہ حفظ کے استاد جناب قاری عبدالحلیم صاحب کے والد بزرگوار جناب فردوس صاحب کا انتقال ہوا۔اور 23 / ربیع الآخر، بروز منگل، دارالافتاء کے رفیق جناب مفتی طلحہ صاحب کے والد بزرگوار جناب حاجی مدثر قریشی صاحب کا انتقال ہوا، اللہ تعالیٰ مرحومین کے درجات بلند فرمائیں، اور پسِ ماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائیں، آمین۔

☐..... 20 / ربیع الآخر، بروز ہفتہ، مولانا سید عبدالودود صاحب (برادر مولانا مفتی سید عبدالقدوس ترمذی صاحب، جامعہ حقانیہ ساہیوال، سرگودھا) مفتی صاحب مدیر سے ملاقات کے لئے ادارہ میں تشریف لائے۔

☐.....5 / جمادی الاولیٰ1448ھ (مطابق 17 / اکتوبر2026ء) بروز ہفتہ، بعد نمازِ مغرب ادارہ کا سالانہ شورائی اجلاس منعقد ہوا، جس میں مقامی اور بیرونی اراکین شریک ہوئے، مولانا مفتی سید عبدالقدوس ترمذی صاحب دامت برکاتہم (جامعہ حقانیہ ساہیوال، سرگودھا) اور مولانا مفتی محمد زاہد صاحب دامت برکاتہم (جامعہ امدادیہ فیصل آباد) تشریف لائے، معزز اراکین کے سامنے ادارہ کے مالیاتی گوشوارے بشمول شعبہ نشر واشاعت، ماہنامہ التبلیغ اور مسجد غفران کے پورے سال کے آمد وخرچ کے حسابات حسبِ سابق مرتبہ شکل میں پیش کئے گئے، معزز اراکین نے تحسین فرمائی اور آراء پیش کیں۔

﴿بقیہ متعلقہ صفحہ 58 ''صحت مند زندگی کے لیے غذا کے اہم اصول''﴾

طرح بلاوجہ مسلسل پرہیز کرنا بھی صحت کے لیے مضر ہوسکتا ہے، حالتِ صحت میں غیر ضروری سخت پرہیز بعض اوقات اتنا ہی نقصان دہ ہوسکتا ہے جتنا بیماری کی حالت میں بد پرہیزی۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ جسم کے پرانے خلیات اور بافتیں وقت کے ساتھ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوتی رہتی ہیں، اور غذا ان کی مرمت اور نئے خلیات کی تشکیل کے لیے ضروری ہے، جب بدن کو کافی غذائیت نہیں ملتی تو یہ کمی پوری نہیں ہو پاتی، جس سے جسمانی قوت گھٹتی ہے اور کمزوری پیدا ہوسکتی ہے؛ لہٰذا صحت مند شخص کو محض وہم یا غیر ضروری احتیاط کی وجہ سے مفید غذائیں ترک نہیں کرنی چاہئیں، البتہ بیماری کی وجہ سے تجویز کردہ ضروری پرہیز کی پابندی کرنا چاہیے۔

www.idaraghufran.org